مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ

الامداد

لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۸ | جمادی الاول ۱۴۳۸ھ | فروری ۲۰۱۷ء | شمارہ ۲

الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام

احکام اسلام کی پابندی اور تفویض کی حقیقت

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/ ۲۰ روپے | زر سالانہ =/ ۲۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام

احکام اسلام کی پابندی اور تفویض کی حقیقت

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱......	تمہید....................................	۹
۲......	قصہ اوس وخزرج............................	۱۰
۳......	صحابہ کے باہم اختلاف کی نوعیت.............	۱۱
۴......	مضلین کودھوکہ..............................	۱۱
۵......	کفر عملی..................................	۱۲
۶......	ضرورت علم کلام............................	۱۵
۷......	ضرورت تدوین فقہ...........................	۱۵
۸......	علم صرف ونحو وغیرہ کی تدوین کی ضرورت........	۱۶
۹......	تدقیقات سے احتراز..........................	۱۸
۱۰......	علوم کشفیہ کا مطالعہ........................	۲۰
۱۱......	اکبر بادشاہ کے درباری.......................	۲۳
۱۲......	علوم کشفیہ اور تصوف........................	۲۴
۱۳......	علماء کی احتیاط.............................	۲۵
۱۴......	معلومات اور مجہولات........................	۲۷
۱۵......	حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا مصلحانہ جواب...........	۲۸

۱۶......	سائلین کو جواب دینے کا طریقہ....................	۳۰
۱۷......	بحث اور تسلی....................	۳۲
۱۸......	شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت....................	۳۳
۱۹......	بیعت کا فائدہ....................	۳۴
۲۰......	وسوسہ کا علاج....................	۳۷
۲۱......	جواب جاہلاں....................	۳۷
۲۲......	اصلاح کا ایک طریقہ....................	۳۹
۲۳......	منطقی کو جواب لاجواب....................	۳۹
۲۴......	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حکیمانہ جواب....................	۴۰
۲۵......	حکایت....................	۴۱
۲۶......	حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل....................	۴۲
۲۷......	نا اہل کو جواب دینے کا طریقہ....................	۴۲
۲۸......	حکیم الامت کے جوابات....................	۴۳
۲۹......	فضول بحث سے احتراز....................	۴۵
۳۰......	ضرورتِ علم کلام....................	۴۵
۳۱......	تسہیل و تکمیل عمل....................	۴۶
۳۲......	بیان میں اختصار....................	۴۷
۳۳......	فِرق باطلہ....................	۴۸
۳۴......	صحابی کے سوال کا فائدہ....................	۴۹

۳۵......	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر و مدلل کلام............	۵۰
۳۶......	الطاف حسین حالی کا حفظ قرآن......................	۵۱
۳۷......	وصول الی اللہ کا طریقہ...........................	۵۲
۳۸......	لذت پریشانی......................................	۵۳
۳۹......	سالکین کا حال....................................	۵۴
۴۰......	بعض سالکین کا اشکال...........................	۵۵
۴۱......	جواب اشکال.....................................	۵۶
۴۲......	صوفیاء کی اصطلاحات...........................	۵۸
۴۳......	تفویض پر مداومت..............................	۶۰
۴۴......	اسلام کی حقیقت.................................	۶۰
۴۵......	نام کا سجع.......................................	۶۲
۴۶......	وعظ کا نام.......................................	۶۲
۴۷......	تفسیر آیت.......................................	۶۳
۴۸......	اصل مقصود کیا ہے؟..............................	۶۴
۴۹......	حقیقت تقویٰ.....................................	۶۵
۵۰......	رفع اشکال......................................	۶۵
۵۱......	غلط فہمی کا ازالہ................................	۶۶
۵۲......	تفویضِ مطلوب...................................	۶۷
۵۳......	عوام کی بے فکری................................	۶۷

۵۴...... تفویض معتبر.. ۶۸
۵۵...... دیہاتی کی حکایت.. ۶۸
۵۶...... حکایت.. ۶۹
۵۷...... جبری کا علاج.. ۷۰
۵۸...... معنی تفویض.. ۷۱
۵۹...... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ.. ۷۲
۶۰ ...... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تجویز کردہ نسخہ................ ۷۳
۶۱ ...... روح انسانی کی قوت.. ۷۴
۶۲ ...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ علاج.. ۷۵
۶۳ ...... حافظ شیرازی کی تعلیم.. ۷۶
۶۴ ...... تدبیر مشروع.. ۷۷
۶۵ ...... ایمان کا آئینہ (حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ۷۹

وعظ

الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام

احکام اسلام کی پابندی اور تفویض کی حقیقت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا یہ وعظ ۶/شوال المکرّم ۱۳۴۵ھ بروز شنبہ بوقت صبح مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ۳ گھنٹے ۴۵ منٹ تک ہوا۔ شرکائے وعظ کی تعداد تقریباً ۵۰ تھی۔

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قلمبند فرمایا۔ موضوع سے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس وقت آپ کو ایسی چیز بتلانا چاہتا ہوں جو پریشانی کو لذیذ کردے کیونکہ میں کہہ چکا کہ پریشانی تو جنت سے ورے ختم نہیں ہوسکتی۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پریشانی کو لذیذ کردیا جائے۔ اور یہ بھی ایک طرح پریشانی کا خاتمہ ہی ہے۔ تو میں ایسی بات بیان کرنا چاہتا ہوں جو تمام اعمال میں کام آئے اور غفلت سے روکتی رہے اور پریشانی کے وقت ہمت بندھائے اور وہ نئی بات نہیں بلکہ وہ وہی ہے جس کا نام قرآن میں کہیں تقویٰ ہے کہیں اعتصام بحبل اللہ ہے اور اسی کا نام ذکر نعمت بھی ہے''۔

عباراتنا شتی وحسنك واحد وكل الی ذاك الجمال يشير

حکیم الامت نے وعظ میں تفویض اختیار کرنے پر زور دیا کہ اس کے ذریعہ تمام دینی ودنیوی پریشانیوں سے نجات مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس دولت عظمیٰ سے سرفراز فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۳ نومبر ۲۰۱۶ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَاتَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ○ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ص وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ج وَکُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡھَا ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَھۡتَدُوۡنَ○﴾(۱)

تمہید

یہ آیتیں ہر چند کہ ایک خاص قصہ میں نازل ہوئی ہیں (۲) مگر مقصود اسی

(۱) ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا اور مضبوطی سے پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈالدی سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو'' سورہ ال عمران:۱۰۲۔۱۰۳ (۲) اگرچہ ایک خاص قصہ میں نازل ہوئی ہے۔

قصہ کے ساتھ مخصوص نہیں (۱)۔ بلکہ حق تعالیٰ نے ان میں ہم کو ایک دستور العمل بتلایا ہے، تاکہ پھر ویسے قصے رونما نہ ہوں (۲) اور دیگر آفات سے بھی محفوظ رہیں۔

قصہ اوس وخزرج

قصہ یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے دو خاندانوں میں جن کا نام اوس وخزرج ہے، سخت عداوت تھی (۳) جب مدینہ والے مسلمان ہوگئے تو یہ عدوات اتحاد سے اور وہ بغض ونفرت دوستی اور محبت سے مبدل (۴) ہوگئی اور جب سیدنا رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے (۵)، اس وقت تو یہ اتحاد اور بھی زیادہ مستحکم ہوگیا (۶) اور یہ اتحاد یہود کو بہت ناگوار گزرا، اور ایک یہودی نے جب اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے آدمیوں کو ایک جلسہ میں باہم شیروشکر دیکھا تو حسد سے جل مرا (۷) اور اس نے ایک شخص کو اس کام پر مقرر کیا کہ اوس وخزرج میں جو وقائع وحروب ہوئے ہیں (۸) اور ان کے متعلق ہر قبیلے کے شعراء نے جو اشعار کہے ہیں، وہ اشعار انصار کی مجلسوں میں پڑھ دے چنانچہ اس میں وہ کسی قدر کامیاب ہوگیا کہ اشعار کا پڑھنا تھا۔ فوراً ایک آگ سی بھڑک اٹھی اور آپس میں تو تو میں میں (۹) ہونے لگی یہاں تک کہ لڑائی کا موقعہ اور وقت بھی مقرر ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جو اطلاع ہوئی آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا یہ کیا اندھیر ہے (۱۰) کہ میرے سامنے ہی، کہ میں تمہارے اندر زندہ موجود ہوں، پھر مسلمان ہوجانے اور باہم متفق ومتحد ہوجانے کے بعد یہ واہیات حرکت؟ (۱۱) کیا تم اسلام کے بعد پھر اسی حالت کفر کی

(۱) لیکن مقصود اس قصہ کے ساتھ خاص نہیں ہے (۲) ویسے واقعات پیش نہ آئیں (۳) سخت دشمنی تھی (۴) بغض وعداوت دوستی میں تبدیل ہوگئی (۵) جلوہ افروز (۶) مضبوط (۷) حسد کی آگ میں جل گیا (۸) جنگی واقعات ہوئے ہیں (۹) آپس میں لڑائی ہونے لگی (۱۰) یہ کیا بے وقوفی ہے (۱۱) یہ بری حرکت۔

طرف عود کرنا چاہتے ہو؟(۱)

حضور ﷺ کے ارشاد سے سب کو تنبہ ہوا اور سمجھے کہ یہ شیطانی حرکت تھی اور ایک دوسرے کے گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی جس سے حاسدین کی کوشش اکارت گئی (۲) ﴿وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ﴾ (۳) ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنا چاہا تھا، سو ہم نے ان ہی لوگوں کو ناکام کردیا۔ کیونکہ اب پہلے سے بھی زیادہ اتحاد ہوگیا اور صحابہ کو معلوم ہوگیا کہ نفسانیت کی بناء پر باہم قتال وجدال عملی کفر ہے (۴)۔ اس لئے ہمیشہ کے واسطے اس کا دروازہ بند ہوگیا۔ جس سے دشمنوں کی تدابیر الٹی ہوگئیں، اور صحابہ میں پہلے سے بھی زیادہ محبت والفت قائم ہوگئی۔

صحابہ کے باہم اختلاف کی نوعیت

(اور حضور ﷺ کے بعد جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں جنگ ہوئی۔ اس کا منشاء جاہلیت کی عداوت نہ تھی بلکہ اس کا منشاء محض دین تھا کہ ایک فریق دوسرے کو دین کے خلاف عمل کرنے والا سمجھتا تھا۔ اس لئے ہر ایک اپنے زعم میں (۵) دوسرے کو دین پر لانے کے لئے جنگ کررہا تھا۔ گو ان میں ایک فریق واقع میں غلطی پر تھا مگر اپنے اجتہاد میں ہر ایک حق پر تھا اور خطا اجتہادی معصیت نہیں (۶) بلکہ اس پر بھی اجر کا وعدہ ہے ۱۲ جامع)

مضلین کو دھوکہ

مضلین کو بھی بعض دفعہ دھوکہ ہوجاتا ہے (۷) کہ وہ ایک کام کرتے ہیں

(۱) لوٹنا چاہتے ہو (۲) بیکار گئی (۳) سورۃ الانبیاء: ۷۰ (۴) نفسانی خواہشات کی وجہ سے آپس میں لڑنا جھگڑنا کفر عملی ہے (۵) اپنے گمان میں (۶) اجتہادی غلطی گناہ نہیں (۷) گمراہ کرنے والوں کو بھی بعض دفعہ دھوکہ ہوتا ہے۔

اہل حق کو ضرر (۱) پہنچانے کے لئے اور اس کا انجام خیر ہوتا ہے (۲)، بلکہ بعض دفعہ شیطان کو بھی جو رئیس المضلین ہے (۳)، دھوکہ ہوجاتا ہے کہ وہ بندہ سے ایک معصیت کرانا چاہتا ہے تاکہ خدائے تعالیٰ سے اس کو بعد (۴) ہوجائے، مگر اس کو پہلے سے بھی زیادہ قرب ہوجاتا ہے۔ بعض دفعہ تو اس طرح کہ وہ گناہ کا ارادہ کرکے پھر خدا کے خوف سے رک جاتا ہے اور بعض دفعہ گناہ کا ارتکاب بھی ہوجاتا ہے مگر اس کے بعد ندامت اس درجہ غالب ہوتی ہے کہ بندہ روتے روتے ہلاکت کے قریب ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ عجز و نیاز پسند ہے وہ اس کو پہلے سے بھی زیادہ مقرب بنالیتے ہیں (۵) پھر یہ شخص آئندہ کو اس گناہ کے دروازے بالکل بند کردیتا ہے، جن کی وجہ سے شیطان کے دھوکہ میں آیا تھا۔ غرض شیاطین الانس والجن دونوں کو بعض دفعہ دھوکہ ہوجاتا ہے جیسا کہ اس یہودی کو ہوا۔ جس نے اوس وخزرج میں نفاق وشقاق (۶) ڈالنا چاہا تھا۔ اگر اسے یہ معلوم ہوجاتا کہ میری سعی (۷) کا یہ انجام ہوگا، تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوشش کو صرف اسی واقعہ میں ناکام نہیں کیا بلکہ آئندہ کا بھی انتظام فرمادیا اور جدال وقتال (۸) کے دروازے بالکل بند کردیئے۔

کفر عملی

چنانچہ اس سے پہلے جو آیات ہیں ان میں اول تو اہل کتاب پر ملامت ہے۔ جنہوں نے یہ کارروائی کی تھی اور یہ ملامت بڑی بلاغت سے کی گئی ہے کہ اس فعل پر ملامت کرنے سے پہلے ان کو کفر پر ملامت کی گئی۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ

(۱) نقصان (۲) بھلائی (۳) تمام گمراہی پھیلانے والوں کا سردار ہے (۴) دوری (۵) اپنا قرب عطا فرمادیتے ہیں (۶) نااتفاقی اور لڑائی کرانا چاہی (۷) کوشش (۸) لڑائی جھگڑے کا باب بالکل بند کردیا۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ تم خود بھی مسلمان ہو جاتے، نہ یہ کہ الٹا دوسروں کے گمراہ کرنے کی فکر میں لگ رہے ہو۔ پھر مسلمانوں کو خطاب اور فہمائش ہے(۱) کہ اہل کتاب کو تمہارا اتحاد و اتفاق، جو ذریعہ ہے دین و دنیا کی ترقی کا، سخت ناگوار ہے وہ تم کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ اور اگر تم ان کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو ایمان کے بعد کافر بنا دیں گے اور دشمنوں کے فریب میں آکر اپنا نقصان کرنا اور ان کا دل خوش کرنا سخت جہالت و حماقت ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾(۲)

اس آیت میں کفر سے مراد معنی عام ہیں، جو کفر اعتقادی و عملی(۳) دونوں کو شامل ہے اور قتال و جدال کفر عملی(۴) ہے۔ کیونکہ یہ فعل قریب بکفر ہے۔ اس سے نااتفاقی پیدا ہوتی ہے جو گناہ بھی ہے اور قوت و ترقی کی زائل کرنے والی بھی۔ پھر ان بکھیڑوں(۵) میں پڑ کر دین حق سے بعد ہو جاتا ہے۔ نااتفاقی میں ہر شخص دوسرے کو زک(۶) دینے کے لئے ہر ممکن سے ممکن تدبیر کو کام میں لاتا ہے۔ خواہ جائز ہو یا ناجائز۔ انسانیت سے قریب ہو یا بعید(۷)۔

(۱) مسلمانوں کو خطاب کر کے سمجھایا جا رہا ہے (۲)''اور بھلا تم کیسے کفر کر سکتے ہو حالانکہ اسباب مانعہ عن الکفر (کفر سے روکنے والے اسباب) پورے طور پر جمع ہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور پھر تم میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی موجود ہیں (اور یہ دونوں قوی ذرائع ہیں ایمان پر قائم رہنے کے) پس تم کو چاہیے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق ایمان پر اور ایمان کی باتوں پر قائم رہو۔ اور یاد رکھو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے۔ (یعنی اس کی اطاعت کرتا اور اس کے مخالف کی اطاعت نہیں کرتا ہے) تو ایسا شخص ضرور راہ راست کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے'' سورہ اٰل عمران: ۱۰۱ (۳) اس سے مراد کافرانہ عقیدہ اور کافرانہ عمل دونوں ہیں (۴) ایک دوسرے سے لڑنا اور ایک دوسرے کو قتل کرنا عملی کفر ہے (۵) ان چکروں میں پڑ کر دین سے دوری ہوتی ہے (۶) نیچا دکھانے کے لئے (۷) چاہے وہ انسانیت سے گری ہوئی حرکت ہی کیوں نہ ہو جس کا مشاہدہ آج کل سیاسی پارٹیوں کے اختلاف میں ہوتا ہے۔

اسی واسطے حدیث میں فساد ذات البین کو حالقہ فرمایا ہے کہ یہ مونڈ نے والی چیز ہے۔ پھر حضور ﷺ نے اس کی تفسیر بھی خود ہی فرمائی: ''لَا اَقُوْلُ تِحْلِقُ الشَّعْرَ بَلْ تَحْلِقُ الدِّیْنِ'' میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کو مونڈتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب مسلمان کو دین سے بعد ہوگا تو کفر سے قریب ہوگا۔ اور قاعدہ عقلیہ ہے ''اَلْقَرِیْبُ مِنَ الشَّیْءِ یَا خُذُ حُکْمُہٗ'' کہ جو جس سے قریب ہو اسی کا حکم لے لیتا ہے اسی وجہ سے فقہاء نے ''اَقْرَبُ اِلَی الْقُعُوْدِ'' (بیٹھنے کی طرف قریب تر) کو قاعد اور ''اَقْرَبُ اِلَی الْقِیَامِ'' (کھڑے ہونے کے قریب) کو قائم اور غالب الغش (کھوٹ غالب) کو مغشوش(۱) اور غالب الفضہ (چاندی غالب) کو فضہ (چاندی) فرمایا ہے۔ اس قاعدہ سے عمل ''قَرِیْبٌ مِنَ الْکُفْرِ'' (قریب کفر کے) کو کفر کہنا اور اس کے مرتکب کو عملاً کافر کہنا صحیح ہے۔

صاحبو! قرآن محاورات میں نازل ہوا ہے اور محاورات میں اس کی نظیر موجود ہے کہ جو شخص جس قوم کے افعال کرتا ہے۔ اس پر اسی قوم کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کمینی حرکت کرنے والے کو کہتے ہیں کہ تو تو چمار ہے(۲)۔ یعنی چماروں کی سی حرکت کرتا ہے۔ اس سے ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ تنفیر(۳) کے لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شخص اگر شیخ وسید تھا تو شیخ وسید نہیں رہا بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ عملاً چمار ہوگیا گو واقع میں سید ہے۔ اسی طرح یہاں یہ مراد ہے کہ قتال و جدال کرنے والا عملاً کافر ہے گو واقع میں مومن ہے۔ پس جیسا کہ چمار کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقیقی چمار جس کی ذات بھی چمار ہو ایک عملی چمار جو چماروں جیسے کام کرے۔ اسی طرح کافر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقیقی کافر جو اعتقاداً کفر کے مرتکب ہیں۔ دوسرے عملی کافر جو کافروں جیسے کام کرتے ہیں۔

(۱) کھوٹا (۲) بھنگی جمعدار (۳) نفرت دلانے کے لئے یہ عنوان اختیار کیا ہے۔

ضرورت علم کلام

اور یہ تقسیم محاورات کے بالکل موافق ہے۔ کوئی دقیق بات نہیں۔ مگر خوارج ومعتزلہ کی عقل ماری گئی کہ انہوں نے اس محاورہ کو نہیں سمجھا اور محاورہ کے موافق مستعمل لفظ میں تدقیق (۱) کرنے لگے۔ کفر کو حقیقی معنی پر محمول کرکے یہ حکم لگادیا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کفر ہے (۲)۔ اور مرتکب کبیرہ سچ مچ کا فریا خارج عن الایمان ہے (۳)۔ جب ان لوگوں نے قرآن کے معانی کو بدلنا شروع کیا تو اہل حق کو جواب دینے کی ضرورت ہوئی اور انہوں نے ہیئت ایمان کی تحقیق کی۔ صحابہ کو اس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ سب کے سب محاورات کے جاننے والے اور کلامِ الٰہی کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ ان میں باہم ایسے اختلافات کم ہوتے تھے۔ اس لئے ان کو ایسے مسائل میں گفتگو کی ضرورت نہ تھی اور جس قدر ضرورت تھی اس کے موافق انہوں نے بھی گفتگو کی مگر اس وقت علم کلام کی تدوین کی ضرورت نہ ہوئی تھی۔

ضرورت تدوین فقہ

اور ایک علم کلام ہی کیا۔ صحابہ کے زمانہ میں تو فقہ کی بھی تدوین نہ تھی کیونکہ ان میں اتباع کا مذاق غالب تھا۔ تدقیق عمل کا مذاق (۴) نہ تھا تو ان کو اس سے بحث نہ تھی کہ فرض کون ہے اور واجب کون۔ بس حضور ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اسباغ وضو (۵) کے فضائل سنے تھے۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر وضو کرنے لگے۔ آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا بس اسی طرح پڑھنے لگے جیسے آپ پڑھتے تھے۔ ان کو اس کھود کرید کی حاجت (۶) نہ تھی کہ نماز میں کیا فرض

(۱) محاورتاً استعمال ہونے والے لفظ سے حقیقی معنی مراد لینے لگے (۲) گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے (۳) ایمان ختم ہوجاتا ہے (۴) صحابہ حضور کا اتباع کرتے تھے اس عمل کی وجوہات کی تحقیق میں نہیں پڑتے تھے (۵) اہتمام سے فرائض وسنن کی رعایت کرکے وضو کرنے کے فضائل سنے (۶) اس جستجو کی ضرورت۔

ہے اور کیا واجب اور کون مستحب؟ کیونکہ جس کو نسخہ پینا ہے وہ نسخہ کی تحقیق نہیں کیا کرتا کہ اس کا جزو اعظم کیا ہے۔ (۱) مزاج کیسا ہے، مگر جب کسی کو پورا نسخہ پینا منظور نہ ہو اور وہ تحقیق کے درپے ہوجائے۔ تو طبیب شفیق جزو اعظم وغیرہ کی تحقیق بھی بیان کردیگا اور اس کو مدون (۲) بھی کردے گا تاکہ کوئی پورا نسخہ نہ استعمال کرے تو بالکل محروم بھی نہ رہے۔ وہ جزو اعظم ہی استعمال کرے کہ وہ بھی حصول مقصود (۳) کے لئے کسی درجہ میں تو کافی ہے گو اثر دیر میں ہوگا اور پورے نسخہ کے برابر نہ ہوگا۔ تو اگر مسلمان حضرات صحابہ ہی کے طرز پر رہتے اور عبادات کو ناقص نہ کرتے تو فقہاء کو تدوین فقہ (۴) اور تحقیق فرائض وواجبات وشرائط وارکان کی ضرورت نہ ہوتی۔

علم صرف ونحو وغیرہ کی تدوین کی ضرورت

اسی طرح اگر سب مسلمان مذہب اصلیہ (۵) پر رہتے اور تدقیق شروع نہ کرتے تو متکلمین کو بھی "تَکْفُرُوْنَ" (تم کفر کرتے ہو) کی تحقیق کی ضرورت نہ ہوتی کہ یہاں کفر عملی مراد ہے نہ کہ کفر حقیقی۔ نہ ان کو اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کی تاویل بیان کرنا پڑتی۔ متکلمین کو بھی اس کی ضرورت جب ہی ہوئی جب کہ اہل بدعت نے تلبیس شروع کردی (۶)۔

اور یقینی ہے کہ اگر علوم قرآن اپنی سندیت اصلیہ پر رہتے تو اس سے نفع زیادہ (۷) ہوتا اور فضول ابحاث (۸) میں عوام کا اور علماء کا وقت صرف نہ ہوتا۔

---

(۱) سب سے اہم جز کونسا ہے (۲) شفیق معالج جزاء اعظم کو بیان بھی کردے گا اور لکھ بھی دے گا (۳) مقصد حاصل کرنے میں (۴) فقہی مسائل کو لکھنے اور بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ یہ فرض ہے یا واجب یا سنت وغیرہ (۵) عقائد کی درستگی رکھتے تو عقائد میں یہ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ کفر عملی ہے یا کفر حقیقی (۶) جب اہل بدعت نے آیات متشابہات کے معنی میں تلبیس شروع کی تو متکلمین نے ان مسائل کی تحقیق کی (۷) اگر اہل بدعت اس قسم کی تلبیس نہ کرتے اور قرآن کے الفاظ کو اپنے معنی پر رہنے دیتے تو اس سے زیادہ فائدہ ہوتا (۸) فضول بحثوں میں۔

بلکہ تمام علماء ضروری علوم کی تدوین وتحقیق میں مصروف ہوتے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ صحابہ کے بعد مسلمانوں کی طبائع میں اتباع کا مادہ کم ہوگیا۔ عقول میں سلامتی کم ہوگئی اور تحقیق وتدقیق کے درپے ہونے لگے(۱)۔ اہل بدعت وہوا نے تلبیس وتحریف شروع کردی تو اب علماء میں تقسیم خدمات ہونے لگی۔ کسی نے بلاغت کو لے لیا۔ کسی نے نحوصرف کو کسی نے علم کلام کو، کسی نے حدیث کو کسی نے فقہ کو کسی نے تفسیر کو اور ایک جماعت نے علوم عقلیہ (۲) کی خدمت اختیار کی اور اب علوم عقلیہ کی بھی ضرورت ہے۔

کیونکہ آج کل عقول میں سلامتی نہیں رہی وہ بدوں علوم عقلیہ کی مدد کے دقیق علوم کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر عقول میں سلامتی ہو تو پھر عقول میزانیہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ حضرات صحابہ ومجتہدین کو اس کی ضرورت نہ تھی مگر باوجود اس کے ان کے تمام دلائل قوانین عقلیہ پر منطبق ہیں۔ لیکن اب بدوں علوم عقلیہ کے فہم اس لئے مشکل ہوگیا (۳) کہ جو اشکالات شریعت پر کئے جاتے ہیں خود ان میں علوم عقلیہ فلسفیہ کی بہت آمیزش ہے۔(۴) خصوصًا معتزلہ کے اشکالات میں اور گو علوم عقلیہ کے ذریعہ سے معتزلہ کے اشکالات رفع کردیئے گئے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ متاخرین (۵) کے کلام میں علوم قرآن بہت کم ہیں اور سلف (۶) کے کلام میں علوم قرآن زیادہ ہیں۔ اور سلف کی باتیں دل کو لگتی ہیں کیونکہ سند کا خاصہ ہے کہ دل کو کشش کرتی ہے۔ سادگی سے جو بات بیان کی جاوے، وہ دل میں پیوستہ (۷) ہوجاتی ہے۔ متاخرین کے کلام میں یہ رنگ نہیں ان کی باتیں اس قدر دل کو نہیں

(۱) بجائے اتباع کے ہر مسئلہ کی وجہ اور علت معلوم کرنے لگے (۲) منطقی علوم (۳) بغیر عقلی علوم کے سمجھنا اس لئے مشکل ہوگیا (۴) ان اشکالات میں فلسفہ اور علوم عقلیہ کی ملاوٹ ہے (۵) بعد کے علماء (۶) گذشتہ علماء (۷) دل میں اتر جاتی ہیں۔

لگتیں مگر وہ کیا کریں وہ اس رنگ کے اختیار کرنے پر مجبور تھے کیونکہ معترضین نے اسی رنگ سے اعتراضات پیش کئے تھے۔

تدقیقات سے احتراز

اور یہ بھی خدا کی رحمت ہے کہ ہم سے پہلے یہ شبہات پیدا ہو چکے اور متقدمین متکلمین(۱) نے ان کے جواب میں قیامت تک کا انتظام کر دیا کہ علم کلام کی بنیاد ڈال کر قیامت تک کے شبہات کا ازالہ کر دیا۔ اگر ہم جیسے کم ہمتوں کے سامنے معتزلہ کے شبہات پیش ہوتے تو ہم سے یہ کام دشوار تھا۔ غرض اس میں تو شک نہیں کہ متکلمین نے جو کچھ تحقیق و تدقیق کی وہ ایک ضروری کام تھا جس پر مخالفین اہل بدعت وہویٰ کی تلبیس نے ان کو مجبور کیا (گو اس مجبوری کے بعد بعض ابحاث انہوں نے ایسی بھی چھیڑ دیں جن کے چھیڑنے پر وہ مجبور نہ تھے اور ایسی ابحاث کا شمار بہت قلیل ہے) لیکن متکلمین کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مسلمانوں کو قرآن پر ایسی تحقیق و تدقیق کے ساتھ ایمان لانا چاہیے۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام پر اعتراض کرے اور اس کی فہم میں سلامتی نہ ہو اور سزاجت(۲) کے ساتھ وہ قائل نہ ہو سکے تو اس کے مقابلہ میں اس سے کام لیا جائے اور خود اپنے اعتقاد رکھنے کے واسطے سزاجت ہی کا رنگ(۳) اختیار کرنا چاہیے۔ خصوصاً عوام کو تو یہی لازم ہے کہ قرآن پر سند کے ساتھ ایمان لائیں۔ کیونکہ تدقیقات سے شبہات دفع نہیں ہوتے بلکہ اس سے شبہات اور بڑھتے ہیں جن سے بعض دفعہ نجات مشکل ہو جاتی ہے اور اخیر میں جب کبھی نجات ہوئی ہے

(۱) علم کلام کے ماہرین علماء (۲) جس آدمی کی سمجھ ناقص ہو اور وہ اس بات سے مطمئن نہ ہو کہ حضور نے ایسے کیا ہے اور صحابہ نے ایسے کیا ہے یہ بات سند متصل سے ثابت ہے اس کے جواب کے لئے ان تحقیقات کی ضرورت ہے (۳) اپنے اعتقاد کے لئے صحابہ کا عمل ہی کافی ہے۔

سزا جت ہی سے ہوئی ہے کہ اللہ ورسول ﷺ سچے ہیں ان کا حکم سر آنکھوں پر ہے خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے (میں کہتا ہوں کہ متکلمین کا تدقیقات سے یہ مطلب نہ تھا کہ تم اپنے مشبہات ان کے ذریعے سے زائل کرو بلکہ صرف یہ مقصود تھا کہ اگر مخالف ان تدقیقات کے پیرایہ میں اعتراض کرے تو تم اس کو اسی کے طرز سے خاموش کرسکو) اور سادہ تعلیم کے بعد بہ نسبت فلسفیات کے تصوف کی تحصیل سے بھی شبہات سے نجات جلد ہو جاتی ہے۔(۱) مگر اسی شرط کے ساتھ کہ تصوف بھی سند اصلیہ پر ہو جس میں علوم فلسفہ کا رنگ نہ ہو یعنی علوم کشفیہ کی تحقیق نہ ہو۔(۲) جو واقع میں تو علوم فلسفیہ نہیں۔ لیکن ان کی تعبیر فلسفہ کا رنگ میں ہوتی ہے اس لئے وہ علوم فلسفہ معلوم ہوتے ہیں۔ گو اصل مفہوم کے اعتبار سے تو فلسفہ علم حکمت (۳) کو کہتے ہیں جو تمام علوم کشفیہ کو شامل ہے۔ مگر میں علوم فلسفیہ بمعنی علوم دقیقہ زائدہ سے منع کرتا ہوں کہ محاورہ میں انہیں کو علوم فلسفیہ کہتے ہیں۔ غرض تصوف سے بھی اسی وقت شبہات کا مادہ منقطع ہوگا جب کہ کشفیات سے الگ رہے اور ان کی تحقیق میں نہ پڑے۔ ورنہ شبہات سے نجات دشوار ہے۔(۴)

چنانچہ خود اہل کشف کا ارشاد ہے: ''اَنْتُمْ تَخَافُوْنَ الْمَعَاصِیَ وَنَحْنُ نَخَافُ الْکُفْرَ'' کہ علمائے ظاہر کو تو معاصی ہی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے مگر ہم کو کفر کا اندیشہ لگا رہتا ہے کیونکہ علوم کشفیہ کی فہم میں جب غلطی ہوتی ہے تو وہ کفر سے ادھر نہیں رہتی (۵)۔ اس لئے ان کے درپے ہونا بہت مضر ہے(۶) اس کے ساتھ ہی مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ علوم کشفیہ کی تحقیق و تدقیق تو نہ کرے لیکن اجمالاً ان کی تصدیق کردے تاکہ صاحب کشف کے گمراہ سمجھنے کا عقیدہ پیدا نہ ہو کیونکہ یہ

(۱) علم تصوف کے حصول سے بھی شبہات زائل ہو جاتے ہیں (۲) مکاشفات کی تحقیق نہ ہو (۳) علم دانائی (۴) مشکل ہے (۵) علوم کشفیہ میں غلطی لگنے کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے (۶) نقصان دہ۔

عقیدہ سخت مضر ہوگا۔ وہ مقبولان الٰہی ہیں۔ جن کی شان میں یہ ارشاد ہے: ''مَــــنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ ''(۱) اور تصدیق اجمالی کے معنی یہ ہیں کہ یوں سمجھے کہ یہ قول متحمل حق وصواب (۲) ہے ممکن ہے صحیح ہو۔ احتمال وامکان کی قید اس لئے میں نے بڑھادی تا کہ الہام کے قطعی ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔ گو بعض صوفیہ کے کلام میں یہ بھی وارد ہے کہ اہل کشف صحیح تلبیس ابلیس (۳) سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ میں بھی بہت دنوں اس کے اندر چکر میں رہا کہ اس قول کا مطلب کیا ہے کیونکہ ہمارا عقیدہ تو ظنیت الہام کا ہے (۴) اور اس کو تلبیس ابلیس سے محفوظ اور بالکل صحیح فرماتے ہیں جس سے متبادر یہ ہے کہ ان کے نزدیک الہام قطعی ہے (۵)۔ میں عرصہ دراز تک اس اشکال کی وجہ سے پریشان رہا اور جو بات اس پریشانی کے متعلق مجھے معلوم ہوئی ہے وہ عرض کرتا ہوں۔

علوم کشفیہ کا مطالعہ

اور میں محقق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ محض شفقت کی بناء پر کہتا ہوں کہ میرا عمر بھر کا تجربہ یہ ہے کہ علوم کشفیہ کا مطالعہ مضر ہے ان کا مطالعہ کبھی نہ کرے نہ ان کی تحقیق کے درپے ہو۔ ہاں اجمالاً اہل کشف کی بزرگی کا معتقد رہے (۶) اور اجمالاً ان کی تصدیق بھی کرے۔ مگر تفصیل کی فکر میں نہ پڑے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو بڑے رتبہ کے ہیں وہ تو بے دھڑک فرماتے ہیں۔ کہ شیخ اکبر از مقبولان الٰہی نظر می آید مگر علوم او نا مقبول اند (شیخ اکبر مقبولان الٰہی میں سے معلوم

(۱) ''جو میرے ولی کو ایذا دے اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے'' السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳/۳۴۶
(۲) حق اور صحیح ہونے کا احتمال ہے (۳) جن کو کشف صحیح کی نعمت حاصل ہوجائے وہ الہام میں شیطان کی آمیزش سے محفوظ ہوجاتے ہیں (۴) الہام کا حکم یہ ہے کہ درجہ ظن میں وہ بات ثابت ہوگی (۵) ان کے اس قول سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے نزدیک الہام کا درجہ قطعی ہے (۶) جن بزرگوں کو کشف ہوتا ہے ان سے اچھا اعتقاد رکھے۔

ہوتے ہیں مگر ان کے علوم نامقبول ہیں) مگر مشکل ہماری ہے کہ ہم شیخ کی باتوں کو نامقبول کیسے کہیں ہمارا تو یہ رتبہ نہیں۔ سو الحمد للہ کچھ دن ہوئے ہیں کہ اس اشکال کا جواب سمجھ میں آ گیا۔ مگر ایک مسئلہ سمجھ میں آ جانے کے بعد اس کے بھروسہ دوسرے مسائل کا مطالعہ یہ سمجھ کر نہ کرنا چاہیے کہ ہم کو تو دامن چھڑانا آتا ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ ایسا خار لگتا ہے(۱) کہ پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے وہ دامن کو بھی پھاڑ کے رکھ دیتا ہے اور خود نہیں نکلتا۔ دیکھو اگر ایک شخص کو نگاہ نیچی کر لینے کی مشق ہے تو اس کو یہ تو مناسب نہیں کہ اس کے بھروسہ خود قصد (۲) کر کے بازار میں ایسی جگہ کو نکلا کرے جہاں بازاری عورتوں کا مجمع رہتا ہے۔

صاحبو! بہتر تو یہی ہے کہ بازار ہی میں نہ جایئے تاکہ کوئی عورت نظر ہی نہ پڑے ورنہ کبھی تو ایسی نظر پڑے گی کہ یہ ساری مشق رکھی رہ جائے گی۔ تم ہزار نگاہ نیچی کرنا چاہو گے وہ پھر اوپر کو آنکھ اٹھوا دے گی اور نگاہ نیچی کر بھی لی تو ایک بار کی نظر سے بعض دفعہ دل پر ایسا تیر لگتا ہے کہ عمر بھر دل سے نہیں نکلتا۔ پھر یوں کہو گے۔

درون سینہ من زخم بے نشان زدۂ بحیرتم چہ عجب تیر بے کمان زدہ(۳)

اس لئے اہل تجربہ کا قول ہے راہ راست بروا گرچہ دوراست (سیدھے راستہ پر چلو اگرچہ دور ہو)

اس قول پر اہل اقلیدس کو شبہ ہوا ہے کہ خط مستقیم تو بوجہ اقصر الخطوط الواصلہ بین النقطتین (دو نقطوں کے درمیان جو خطوط ہیں ان میں سب سے چھوٹے خط کو خط مستقیم کہتے ہیں) ہونے کے اقرب الطرق (راستوں میں قریب تر) ہوگا۔ وہ دور کیونکر ہو سکتا ہے؟ اسی خرابی کا نتیجہ ہے کہ محاورات کو تدقیقات (۴) پر محمول

(۱) ایسا کانٹا چبھتا ہے (۲) ارادۃً ایسی جگہ سے گذرے (۳) ”تونے میرے سینہ میں بے نشان زخم مارا ہے۔ حیرت ہے کہ کیا عجیب تیر بلا کمان کے مارا ہے“ (۴) محاورات میں بھی تحقیق کا اسلوب اختیار کر لیا۔

کرنے لگے۔ محاورہ میں راہ راست کہتے ہیں راہ بے خطر کو(۱)۔ مطلب یہ ہے کہ جس راستہ میں خطرہ نہ ہو۔ اس کو اختیار کرو اگرچہ دور ہی کیوں نہ ہو۔ اب کچھ شبہ نہیں پس علوم کشفیہ کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ خطرہ سے خالی نہیں۔ بلکہ صرف علوم معاملہ کا مطالعہ کرے کہ وہ بے خطر ہیں۔ اور میں نے وہ قول کشف صحیح کے مامون عن التلبیس (۲) ہونے کا قصداً نہیں دیکھا تھا بلکہ نظر سے گذر گیا اور آفت آگئی اور کہیں حاشیہ یا شرح میں اس کا حل بھی نہ تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ باوجود کسی شخص کی عدم اعانت (۳) کے اشکال حل ہوگیا۔

وہ حل یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ صاحب کشف صحیح تلبیس سے (۴) مامون ہوجاتا ہے لیکن باوجود امن عن التلبیس کے حجت شرعیہ اس کو لازم نہیں (۵)۔ کیونکہ ایسی نظائر موجود ہیں جہاں باوجود امن عن التلبیس کے شرعاً ایک شئے حجت نہیں (۶)۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ابصار بالنظر (۷) گو کہ اکثر اوقات مامون عن التلبیس ہے۔ جس کی نگاہ درست ہو اس کا ابصار عموماً غلطی نہیں کرتا۔ مگر پھر بھی وہ شرعاً حجت نہیں۔ نہ اس کے مقتضاء پر اعتقاد واجب ہے نہ اس کے خلاف کا احتمال گناہ ہے۔ مثلاً ہم کو چاند سورج سے چھوٹا نظر آتا ہے مگر اس پر اعتقاد لازم نہیں۔ ممکن ہے کہ واقع میں بڑا ہو اور ہم کو چھوٹا نظر آتا ہو۔ ہاں وہ مواقع مستثنیٰ ہیں جن میں شریعت نے ابصار کو حجت مانا ہے (۸)۔ جیسے رویت ہلال وغیرہ اس نظیر کا

---

(۱) اس راستہ کو کہتے ہیں جس میں خطرہ نہ ہو (۲) جو کشف صحیح ہو وہ شیطان کی ملاوٹ سے محفوظ ہوگا یہ قول ارادۃً نہیں دیکھا بلکہ دوران مطالعہ نظر سے گذرا (۳) کسی کی مدد کے بغیر ہی (۴) اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صحیح کشف والے کے کشف میں شیطان تلبیس نہیں کرسکتا (۵) تلبیس شیطان نہ ہونے کے باوجود اس کو شرعی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا (۶) اس کی مثالیں موجود ہیں کہ تلبیس شیطانی نہ ہونے کے باوجود شرعی طور پر وہ بات حجت نہیں بن سکتی (۷) آنکھوں سے دکھائی دیتی ہوئی چیز میں اکثر تلبیس نہیں ہوتی (۸) ان مواقع کا استثناء ہے جہاں شریعت نے دیکھنے کو دلیل قرار دیا ہے جیسے رمضان اور عید کا چاند دیکھنا وغیرہ۔

ذہن میں آنا تھا کہ بادل سا پھٹا اور اشکال کی ظلمت (۱) رفع ہو کر دل میں نور چمکا اور حق تعالیٰ کا بار بار شکر ادا کیا ورنہ دل پر پہاڑ سا رکھا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر پہاڑ پر یہ ثقل ہوتا (۲) تو پھٹ جاتا۔ بس خطرات میں قصداً پڑ کر پھر نکلنا یہ عقلمندی نہیں، بلکہ سلامتی اسی میں ہے کہ خطرات کے پاس نہ جاؤ۔

ہر گز بگندمی گوں لاتقربوا کہ زہر ست   حال پدر بیا وازام الکتاب دارم

وہ تو شیخ اکبر تھے۔ مگر کہیں تم ان کے علوم کشفیہ کو دیکھ کر شیخ اکفر نہ ہو جاؤ (۳) جیسے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اکبر بادشاہ کے متعلق کہا کرتے۔ ''جد ما اکفر بود'' (۴) (ہمارا دادا اکفر تھا) وہاں تو خود اکبر کو اکفر کہہ رہے ہیں۔ یہاں اکبر تو اکبر ہی رہیں گے ہاں ان کے کلام کو دیکھنے والا اکفر ہو جائے گا (۵)۔

اکبر بادشاہ کے درباری

اکبر کے درباری کچھ ایسے بے دین واقع ہوئے تھے کہ ہمیشہ اس غریب کو نئے نئے طریقے سے کافر بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سب نے مل کر اس کو نبی بنایا ور ایک شخص ابوبکر بنا اور ایک عمر بنا۔ ملا دو پیازے بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ جب ان کی باری آئی اور ان سے پوچھا گیا کہ ملا جی آپ کیا بننا چاہتے ہیں؟ تو بولے میں اس جماعت کا ابوجہل ہوں۔ میں تم سب کی تکذیب کرتا ہوں کہ تمہارا نبی بھی جھوٹا اور اس کے ساتھی بھی جھوٹے۔ کیونکہ نبی کے واسطے اس کی بھی ضرورت ہے کہ کوئی اس کا مکذب (۶) بھی تو ہو ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

(۱) اشکال کا اندھیرا چھٹ گیا (۲) بوجھ ہوتا (۳) بڑے درجہ کے کافر نہ ہو جاؤ (۴) اکبر بادشاہ کو اکفر کہا (۵) شیخ اکبر تو اکبر یعنی بہت بڑے ہی رہیں گے ہاں تم اکفر یعنی بڑے کافر ہو جاؤ گے (۶) کوئی اس کا منکر بھی ہو۔

غُرُوْرًا﴾ (۱)

ملا جی کی اس بات پر دربار میں قہقہہ پڑ گیا۔ وہ نبوت درہم برہم ہوگئی اور یہ حکایات افواہی (۲) ہیں۔ ابوالفضل (۳) میں اکبر نے ایک مکتوب میں ان سب خرافات سے اپنا تبریہ بھی کیا ہے جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ پس خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ ہم نے مانا کہ صاحب کشف صحیح کو تلبیس نہیں ہوتی مگر پھر بھی کشف شرعاً حجت نہیں (۴)۔ نہ خود صاحب کشف پر، نہ دوسروں پر، جیسے میں نے ابھی کہا کہ چاند کو ہم آفتاب سے چھوٹا دیکھتے ہیں مگر شرعاً یہ ابصار حجت نہیں (۵)، نہ اس پر اعتقاد رکھنا واجب، نہ اس کے خلاف کا اعتقاد حرام۔ بہرحال میں اپنے دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ شیخ اکبر کی تصانیف کا ہرگز مطالعہ نہ کریں۔ نہ معلوم کس چکر میں پڑ جائیں۔ تمہارے لئے شیخ اکبر سے شیخ اصغر ہی اچھا (۶)۔ یہ بات میں تجربہ کے بعد کہہ رہا ہوں اور مشہور تعلیم ہے سَلِ الْمَجَرِّبَ وَلَا تَسْئَلِ الْحَكِيْمُ (۷)

علوم کشفیہ اور تصوف

یاد رکھو کہ علوم کشفیہ کو تصوف سے کچھ تعلق نہیں مگر چونکہ بعض صوفیہ اہل کشف تھے اور انہوں نے اپنے کشفیات کو تقریراً تحریراً ظاہر کیا جس سے ناقص الفہم گمراہ ہونے لگے، اس لئے محققین صوفیہ نے ان کی حقیقت ظاہر کر کے اشکالات کو

(۱) ''اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیاطین پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعضے دوسرے بعض کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں'' سورہ انعام:۱۱۲ (۲) یہ سنی سنائی حکایت ہے کہیں منقول نہیں دیکھی (۳) کتاب کا نام ہے جو اکبر کی طرف منسوب ہے۔ اس میں اکبر بادشاہ نے اس قسم کی باتوں سے اپنی براءت ظاہر کی ہے جو اس کی طرف منسوب ہیں (۴) کشف میں اگر تلبیس نہ بھی ہو پھر بھی وہ شرعی دلیل نہیں بن سکتا (۵) چاند کا چھوٹا دکھائی دینا کوئی شرعی دلیل نہیں (۶) بڑے شیخ سے چھوٹا شیخ ہی بہتر ہے (۷) ''تجربہ کار سے دریافت کرو حکیم سے مت پوچھو''۔

رفع کرنا چاہا۔ اس لئے علوم کشفیہ کو لوگ تصوف سمجھنے لگے۔ اگر یہ حضرات اہل کشف اپنے علوم کو ظاہر نہ کرتے تو محققین کو ان سے بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وہ اصل مقصود ہی کی تحقیق میں رہتے۔ یعنی علوم معاملہ کی تفصیل میں کیونکہ قرب حق کا مدار معاملہ پر ہے نہ کہ علوم کشفیہ (۱) پر خوب سمجھ لو۔ اب یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ متکلمین پر جو بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے علوم قرآن کو چھوڑ کر خواہ مخواہ تدقیق سے کام لیا۔ یہ ان کی کوتاہ نظری ہے (۲) کیونکہ متکلمین نے ضرورت سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے جب کہ لوگ خود تدقیق کرنے لگے اور شبہات میں پڑ گئے تھے۔ اگر لوگ شبہات میں نہ پڑتے تو ان کو ضرورت نہ تھی۔ پس تم بھی شبہات میں نہ پڑو اور سنداجت اصلیہ پر رہو تو واقعی اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔

علماء کی احتیاط

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ایک ثقہ سے سنی ہے کہ ایک عالم ان سے ملنے گئے مگر چونکہ صورت سے نا آشنا تھے اس لئے خود آپ ہی سے پوچھا کہ شیخ ابوالحسن اشعری کون سے ہیں؟ فرمایا تم میرے ساتھ دربار شاہی میں چلو، وہاں بتلاؤں گا۔ چنانچہ دونوں دربار شاہی میں پہنچے۔ وہاں ہر قسم کے علماء مجتمع تھے محدثین بھی، فقہاء بھی، فلاسفہ بھی، متکلمین بھی، معتزلہ بھی اور اہل سنت بھی، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچنے کے بعد ایک شخص نے ذات وصفات (۳) کے کسی مسئلہ میں گفتگو شروع کی۔ اس کے بعد دوسرے علماء نے اس کے متعلق اپنی اپنی تحقیقات بیان کیں۔ معتزلہ نے اہل سنت کے مسلک پر اعتراضات کئے۔ اہل سنت نے ان کو جواب دیئے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر امام ابوالحسن خاموش بیٹھے

(۱) اللہ کا قرب عملی علوم سے حاصل ہوتا ہے کشفی پر موقوف نہیں (۲) کم نظری (۳) اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں۔

رہے۔ جب سب علماء اپنی اپنی کہہ چکے تو اخیر میں شیخ نے کھڑے ہوکر معتزلہ وفلاسفہ کو خطاب کر کے ان کی سب باتوں کا جواب دیا اور ان مسائل کی ایسی تحقیق کی کہ جس پر فلاسفہ کو بولنے کا موقع نہ رہا۔ اس سے فارغ ہوکر بیٹھے تو اپنے رفیق سے کہا کہ ابوالحسن میں ہی ہوں۔ یہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور کہا واقعی جیسا سنا تھا۔ اس سے بڑھ کر آپ کو پایا۔ پھر ان بزرگ نے اپنی کتاب میں امام کی بہت تعریف لکھی اور اخیر میں یہ لکھا ہے کہ جب امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ سب کو جواب دے چکے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے اول ہی ان مسائل کی تحقیق کیوں نہ بیان کردی جو اخیر میں بیان فرمائی ہے تاکہ مخالفین کو اعتراض کا موقع ہی نہ ملتا۔ امام نے جو اس سوال کا جواب دیا وہ آب زر(۱) سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ ان مسائل میں خود تکلم کرنا بدعت ہے کیونکہ ان میں تکلم کرنا خلاف سنت ہے۔ تو میں نے ابتداء ان میں تکلم کو جائز نہ سمجھا مگر جب اہل بدعت نے مذہب حق پر اعتراض کیا۔ تو اب جواب کی غرض سے تکلم کی ضرورت ہوئی۔ اس لئے میں ابتداء میں خاموش رہا اور اخیر میں مجبور ہوکر بولا جب کہ حق پر اعتراضات ہونے لگے کہ اب سکوت کی گنجائش نہ رہی اب ایسے محتاط علماء کہاں ہیں۔ اب تو ہر شخص ذرا سے سوال پر اپنی تحقیقات بیان کرنے لگتا ہے۔

چنانچہ آج کل لوگوں کو یہ سبق مل گیا ہے کہ جو ملتا ہے سلطان ابن سعود کے متعلق سوال کرتا ہے کہ ان کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ اب لگے مولوی صاحب اپنی تحقیق بیان کرنے۔ جس میں خواہ مخواہ فضول وقت ضائع ہوتا ہے۔ صاحبو! صاف یوں ہی کیوں نہ کہہ دو کہ ہم کو کچھ خبر نہیں۔(۲) اور یہ کہہ کر

(۱) سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے (۲) جیسے آج کل لوگ امریکی صدر کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ ہمیں نہیں پتہ یا ایسے ہی سعودی حکمرانوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

اپنے کام میں لگو اور واقعی ہندوستان کے رہنے والوں کو کیا خبر۔ ہمارے پاس بجز اخباروں کے تحقیق کا ذریعہ ہی کیا ہے اور اخباروں کی دیانت کا جو حال ہے سب کو معلوم ہے۔

رہا حجاج کے بیان سے استدلال کرنا سو اس کی یہ حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنے مذاق کے موافق حالت بیان کرتا ہے۔ بعض لوگ اول اول ابن سعود کی تعریف کرتے ہوئے آئے تھے کیونکہ اس وقت تک ابن سعود کا طرز عمل بظاہر ان کے مذاق کے موافق تھا اور ان کو یہ امید تھی کہ وہ شخصی سلطنت قائم نہ کریں گے بلکہ جمہوری قائم کریں گے۔ پھر دوبارہ جو یہ رنگ دیکھ کر آئے کہ سلطان نے اپنی ملکیت کا اعلان کر دیا اور شخصی سلطنت قائم کر دی تو وہی تعریف کرنے والے جو سلطان کو امام وقت اور فرشتہ خصلت کہتے تھے، اب اس کو شیطان سے بدتر کہنے لگے۔ اس حالت میں کسی کے بیان پر کیا خاک اعتماد کیا جائے۔ پس اسلم یہی ہے(۱) کہ سکوت کیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ ہم کو تحقیق نہیں مگر اس جواب سے شرماتے ہیں کیونکہ اس میں جہل کا اقرار ہے۔ حالانکہ صاحب علم ہونے کے لئے ہر بات کا جاننا ضروری نہیں تو کسی ایک بات کے نہ جاننے سے آپ کا جاہل ہونا کیونکر لازم آیا۔

معلومات اور مجہولات

بزرجمہر کا قصہ ہے جو نوشیرواں کا وزیر اعظم تھا کہ اس سے ایک بڑھیا نے کسی بات کے متعلق سوال کیا بزرجمہر نے کہا کہ مجھے اس کی تحقیق نہیں۔ بڑھیا نے حیرت سے کہا کہ تم کو وزیر ہو کر اس بات کی خبر نہیں ہے۔ پھر تم اتنی بڑی تنخواہ کس بات کی پاتے ہو؟ بزرجمہر نے کہا کہ اتنی تنخواہ تو میں اپنی معلومات کے عوض

(۱) محفوظ راستہ یہی ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے۔

میں پاتا ہوں۔ اگر مجہولات کی تنخواہ پاتا تو خزائن ہفت اقلیم بھی کافی نہ ہوتے (۱) دوسرے آپ کو معلوم ہے لا آدری (میں نہیں جانتا) کہنا جہل کی دلیل نہیں بلکہ علم کی دلیل ہے چنانچہ ایک بار مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ فرمایا کسی نے کہا سبحان اللہ کیا علوم ہیں۔ مولانا نے فرمایا میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ اس شخص نے کہا یہ حضرت کی تواضع ہے۔ فرمایا یہ تواضع نہیں بلکہ تکبر کا قول ہے کیونکہ لا اعلم (میں نہیں جانتا) بڑا عالم ہی کہہ سکتا ہے جس پر علم کی وسعت منکشف (۲) ہوچکی ہو ورنہ جس پر وسعت علم منکشف نہیں ہوئی وہ ہر بات میں علم کا دعویٰ کرتا ہے۔

تیسرے لا اعلم کہہ دینا بڑی راحت کی بات ہے اور اعلم (میں جانتا ہوں) کہنا مصیبت کو اپنے سر لینا ہے۔ اس لئے ایک عاقل کی رائے ہے کہ حتی الامکان جواب نفی میں دیا کرو کیونکہ نفی میں جواب دینا اہون ہے (۳) اور اثبات میں جواب دینا اشد ہے (۴) مثلاً اگر تم سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے کلکتہ دیکھا ہے۔ اس کے جواب میں اگر یہ کہہ دیا کہ ہاں دیکھا تو بس سوالات شروع ہوجائیں گے کہ بتلاؤ وہاں کیا کیا عجائبات ہیں۔ چڑیا گھر کتنا بڑا ہے اور قلعہ کیسا ہے وغیرہ وغیرہ اگر یہ کہہ دیا کہ میں نے کلکتہ دیکھا نہیں۔ تو اس پر کوئی سوال نہیں ہوسکتا۔ پس راحت اسی میں ہے کہ جب کوئی فضول سوال کرے تو اس کے جواب میں یا تو اپنے جاہل ہونے کا اقرار کرے یا سائل کو جاہل بناوے۔ اگر لڑائی کا اندیشہ نہ ہو۔ اور یہ کہدے کہ اس سوال کا جواب سمجھنے کے لئے تمہارا فہم (۵) کافی نہیں۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا مصلحانہ جواب

جیسے علی گڑھ میں میرے پاس ایک صاحب آئے جو کالج میں عربی یا انگریزی

(۱) یہ تنخواہ تو ان باتوں کی ہے جن کا مجھے علم ہے اگر ان باتوں کی تنخواہ لیتا کہ جن کا مجھے علم نہیں تو ساتوں اقالیم کے خزانے بھی ناکافی تھے (۲) کھل چکی ہو (۳) ہلکا (۴) بھاری (۵) تمہاری سمجھ۔

کے پروفیسر تھے اور وہاں دونوں زبانوں میں یکتا مشہور تھے۔ انہوں نے ایک حدیث کا متن پڑھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جہاں زنا کی کثرت ہوتی ہے۔ وہاں طاعون پھیلتا ہے۔ اور یہ کہا کہ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ حدیث کا مدلول سمجھ میں نہیں آیا یا جنابت اور عقوبت (۱) میں ارتباط سمجھ میں نہیں آیا؟ کہا ارتباط سمجھ میں نہیں آیا میں نے کہا۔ ارتباط نہ سمجھنے سے ضرر کیا (۲) ہوا؟ کہنے لگے کہ ضرر (۳) تو کچھ نہیں ہوا لیکن معلوم ہونے میں نفع تھا۔ میں نے کہا وہ نفع کیا تھا؟ کہنے لگے اطمینان ہوجاتا۔ میں نے کہا کہ خود اطمینان کے مطلوب ہونے کی کیا دلیل ہے؟ کہنے لگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ''وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ'' (لیکن اس لئے تاکہ میرا قلب مطمئن ہوجائے) میں نے کہا اور اسکی کیا دلیل کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان مفید تھا تو آپ کو بھی ہوگا؟ کیونکہ ممکن ہے ایک شئے کسی کو مفید ہو اور کسی کو مفید نہ ہو جیسا کہ ادویہ میں مشاہد ہے (۴) کہ ایک دوا ایک شخص کو موافق ہوتی ہے دوسرے کو موافق نہیں ہوتی۔ اس پر وہ خاموش ہوگئے۔ بعد میں میں نے کہا کہ آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ مولویوں کو احکام کی حکمتیں معلوم نہیں الحمدللہ ہمارے پاس اسرار وحکم کا خزانہ موجود ہے مگر۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (۵)

اور گو یہ ظاہر میں تکبر تھا مگر صوفیہ کا ارشاد ہے: ''اَلتَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِیْنَ عِبَادَۃٌ'' (متکبرین سے تکبر کرنا عبادت ہے) یہ بات میں نے اس لئے کہہ دی تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ علماء کورے ہیں ان کو کچھ معلوم نہیں کیونکہ آج کل نو تعلیم یافتہ

(۱) گناہ اور اسکی سزا میں باہم کیا ربط اور مناسبت ہے سمجھ میں نہیں آئی (۲) باہم تعلق معلوم نہ ہونے سے کیا نقصان ہوا (۳) نقصان تو نہیں لیکن فائدہ ہے (۴) جیسے بہت سی دوائیں ایک کو فائدہ دیتی ہیں دوسرے کو نہیں (۵) ''مصلحت نہیں کہ راز فاش کیا جائے ورنہ عارفین کی مجلس میں کوئی ایسی خبر نہیں کہ معلوم نہ ہو''

جماعت کو اپنی عقل وفہم پر بہت ناز ہے ان کے چلے جانے کے بعد میں نے دوستوں کے سامنے اس حدیث کے متعلق ایک تحقیق بیان کی جو میرے ذہن میں تھی۔ جس سے زنا وطاعون کے درمیان ارتباط ظاہر ہوتا ہے۔ احباب کہنے لگے کہ تم نے یہ تحقیق ان پروفیسر صاحب کے سامنے بیان نہ کردی، وہ بہت خوش ہوتے۔ میں نے کہا تم نہیں جانتے یہ لوگ حِکَم کو بناء احکام قرار دیتے ہیں۔(۱) ان کو حکمت بتلانا ان کے مرض کو بڑھانا ہے۔ ان کے لئے اسی جواب کی ضرورت ہے کہ حکمت کا جاننا کیا ضروری ہے؟ اور آپ لوگ حکمت کو بنا احکام نہیں سمجھتے۔

سائلین کو جواب دینے کا طریقہ

دوسرے یہ کہ وہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے اطمینان کے مطلوب ہونے پر استدلال کرتے ہیں تو اول تو یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے طلب اطمینان کا اظہار کیا تھا مخلوق سے انہوں نے اطمینان نہیں چاہا تھا پھر تم مخلوق سے اطمینان کے طالب کیوں ہو۔ دوسرے وہاں حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اطمینان مشاہدہ سے کردیا تھا کہ مردہ کو زندہ کرکے دکھلا دیا تھا جس میں شبہ کی گنجائش نہ تھی اور میں اگر ان پروفیسر صاحب کا اطمینان کرتا تو مقدمات ظنیہ سے کرتا جو ممکن ہے کسی وقت ٹوٹ جاتا یا کم از کم ان کے نزدیک مخدوش (۲) ہوجاتے تو پھر ان کا اطمینان بھی رخصت ہوجاتا اور اطمینان زائل ہونے کے بعد وہ حدیث کی بھی تصدیق نہ کرتے۔ کیونکہ ان کے ذہن میں حدیث کی صحت ان ہی مقدمات پر مبنی تھی۔ اس لئے ان کے سامنے یہ تقریر مناسب نہ تھی۔ جواب میں۔ میں سائل کے مزاج کا اتباع

(۱) حکمتوں کو احکام کی بنیاد قرار دیتے ہیں (۲) نا قابل اعتماد ہوتے۔

نہیں کرتا بلکہ اس کے مرض کا علاج کرتا ہوں تا کہ اس کو اپنی غلطی پر تنبہ ہو(۱)

میرے پاس ایک صاحب جو ایک اردو کے اسکول میں مدرس تھے آئے کہ مجھے تقدیر کا مسئلہ سمجھا دو۔ میں نے کہا کہ آپ کے عوض (۲) سمجھے گا کون؟ کہنے لگے میں سمجھوں گا میں نے کہا تم نہیں سمجھ سکتے اور میں ایسے شخص سے خطاب نہیں کرسکتا جس کو میں جانتا ہوں کہ اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتا۔تم کسی طالب علم کو لے آؤ میں اس کے سامنے تقریر کردوں گا تم بھی سن لینا۔ اس سے تم کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ تم نہیں سمجھ سکتے اور یہ معلوم ہوجائے گا کہ مولویوں کے پاس تمہارے سوالوں کے جوابات ہیں۔

میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ یہ صاحب اسکول کے معلم تھے۔ جن کی لیاقت کا یہ حال ہے کہ ایک صاحب نے اعتراض کو اعتراز لکھا تھا۔ کسی نے ٹوکا تو کہا جی ہاں غلطی ہوگئی ظاء سے لکھنا چاہیے تھا۔ انگریزی میں تو بی اے، ایم اے ہوجاتے ہیں اور علوم عربیہ سے اتنی اجنبیت کہ اعتراض کا املاء بھی صحیح نہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ انگریزی خواں ترقی معکوس (۳) کرتے ہیں مرد سے بی بنتے ہیں، یعنی عورت جو بی اے کا جزاول ہے۔ پھر میم بن جاتے ہیں کہ ایم اے اور میمین قریب قریب ہیں اور اس پر دعویٰ یہ ہے کہ ہم ہر بات کو سمجھتے ہیں اور ہمارے علماء ایسے خوش اخلاق ہیں کہ ان لوگوں کے ہر سوال پر جواب کی تقریر کرنے لگتے ہیں اور احکام شرعیہ کی حکمتیں بیان کرنے لگتے ہیں۔ یہ خوش اخلاقی نہیں بچہ کے ہاتھ میں سانپ دینا ہے۔تم کو تو سانپ کا پکڑنا جائز ہے کیونکہ تمہارے پاس منتر اور تریاق (۴) موجود ہے۔ بچہ کو سانپ دینا اسے ہلاک کرنا ہے۔ اسی طرح علوم

(۱) تا کہ اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو (۲) آپ کے بدلے (۳) الٹی ترقی ہے (۴) سانپ کے کاٹنے کا علاج۔

غامضہ (۱) کی تقریر جاہلوں کے سامنے کرنا ان کو ہلاک کرنا ہے۔ کیونکہ اس سے جو ان کو شبہات پیدا ہوں گے انکا علاج ان کے پاس نہیں۔ بس ان کو تو صاف جواب دو کہ قرآن وحدیث میں یہی آیا ہے تم کو ماننا پڑے گا اور جو اس جواب کو نہ مانے اس کو منہ نہ لگاؤ۔

آنکس کہ بقرآن وخبر زد نہ رسی — آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی (۲)

بحث اور تسلی

اور میں بقسم کہتا ہوں کہ اطمینان اور تسلی اسی سے ہوتی ہے کہ میں اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بلا دلیل مانتا ہوں۔ اسرار اور حکم کے درپے ہونے سے پوری تسلی نہیں ہوتی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے معقولی اور فلفسی ہیں۔ متکلم بھی بڑے درجے کے ہیں۔ اخیر عمر میں اپنی عمر بھر کا تجربہ بیان کرتے ہیں۔

نهاية اقدام العقول عقال — وغاية سعى العالمين ضلال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا — سوىٰ ان جمعنا فيه قيل وقال (۳)

کہ ہم کو عمر بھر کی بحث سے سوائے قیل وقال (۳) کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ان ہی امام رازی کا قصہ سنا گیا ہے کہ یہ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے گئے تھے۔ شیخ نے بیعت کیا۔ اور ذکر وشغل تعلیم کر کے ایک حجرہ میں رہنے کا امر کیا (۴) یہ ذکر وشغل میں مصروف ہوگئے تو چند روز کے بعد یہ محسوس ہوا کہ دل میں سے کوئی چیز نکل کر بھاگی جارہی ہے شیخ سے عرض کیا فرمایا یہ آپ کا منطق وفلسفہ ہے جو قلب سے نکل رہا ہے۔ انہوں نے کہا حضرت میں نے تو اس کو بڑی

(۱) مشکل علوم (۲) ''جو شخص قرآن وحدیث سے نہ سمجھئے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ اس کو جواب نہ دو'' (۳) ''عقل کی انتہا اس کو پابند کرنا ہے اور دنیا والوں کی سعی کا حاصل گمراہی ہے تمام عمر بحث ومباحثہ میں صرف کرنے سے ہمیں کہا سنی کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوا'' (۴) ایک کمرے میں رہنے کا حکم دیا۔

محنت سے حاصل کیا تھا اس کا قلب سے محو ہونا تو مجھے گوارا نہیں۔ فرمایا اس کے عوض تم کو حق تعالیٰ دوسرے علوم عطا فرمائیں گے جو حقیقی علوم ہیں اور یہ تو کتابی علم ہے وہ وہبی علم ہوگا(۱)

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید واو ستا(۲)

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

مگر امام رازی کو گوارا نہ ہوا۔ شیخ نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے چنانچہ یہ ذکر وشغل چھوڑ کر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ اتفاق سے شیخ کی زندگی ہی میں امام کی وفات کا وقت آگیا اور نزع کی حالت میں شیطان ان کے پاس آیا اور کہا تم دنیا سے جارہے ہو توحید بھی سالم (۳) لے چلے ہو کہا ہاں الحمدللہ میری توحید سالم ہے۔ شیطان نے کہا ذرا مجھے تو بتلاؤ تمہارے پاس توحید کی کیا دلیل ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں توحید کے سو دلائل لکھے تھے وہ بیان کرنا شروع کئے اور شیطان کم بخت نے ایک ایک دلیل کو توڑنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کے تمام دلائل کو توڑ دیا۔ اب تو امام رازی کا رنگ فق ہوگیا(۴)۔ شیطان نے کہا کہ یہ تو آپ کی توحید کا حال تھا جو رکن اعظم اسلام ہے جس میں آپ جہل مرکب کے اندر مبتلا تھے۔ اس پر دوسرے مسائل کو بھی قیاس کرلو۔ یہ واقعہ شیخ نجم الدین کبریٰ کو منکشف ہوگیا۔ اس وقت شیخ وضو کررہے تھے۔ امام رازی کی پریشانی دیکھ کر شیخ گھبرا گئے اور فرمایا کہ اس وقت ایک بہت بڑے عالم کا ایمان خطرہ میں ہے۔ ایک خادم جو حضرت کو وضو کرا رہا تھا بولا کہ حضرت پھر آپ دستگیری

---

(۱) یہ علم تم نے کتابوں سے حاصل کیا ہے وہ علم اللہ کا عطا کردہ ہوگا (۲) ''بے کتاب و بے مددگار و استاد کے اپنے اندر انبیاء جیسے علوم پاؤ گے'' (۳) اللہ کی وحدانیت پر بھی پورا ایمان ہے کہ نہیں (۴) بہت گھبرائے اور رنگ پیلا پڑ گیا۔

فرمائیے تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جگہ سے ایک چلو پانی امام رازی کی طرف پھینکا۔ حالانکہ وہ بہت دور دراز فاصلہ پر تھے مگر شیخ کی کرامت تھی کہ حق تعالیٰ نے وہ چلو بھر پانی امام رازی کے منہ پر پہنچادیا جس سے ان کے حواس بجا ہوئے۔ پھر شیخ نے کہا کہ شیطان سے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ''نامعقول میں بلادلیل خدا کو واحد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول مانتا ہوں'' بطور کرامت ہی کے یہ آواز بھی ان کے کان میں پہنچی۔ جیسے حضرت عمرؓ کو جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہوئے منکشف ہوا (۱) کہ لشکر اسلام دشمن کے نرغہ میں ہے اور دشمن غالب ہوا چاہتا ہے، تو آپ نے خطبہ ہی میں جوش سے فرمایا: ''يَاسَارِيَةُ الْجَبَل يَاسَارِيَةُ الْجَبَل'' کہ اسے ساریہ (یہ سردار لشکر کا نام ہے) پہاڑ کی پناہ اور حق تعالیٰ نے یہ آواز مدینہ سے لشکر اسلام میں پہنچادی جو اس وقت شام یا عراق میں تھا اور حضرت ساریہؓ نے حضرت عمرؓ کی آواز سن کر پہاڑی مورچہ پر قبضہ کرلیا جس کے بعد دشمن کی فوج کے حوصلے پست ہوگئے اور لشکر اسلام کو فتح ہوئی۔ ایسا ہی یہاں ہوا اور امام رازی نے شیطان کو بھی جواب دیا کہ ''او نامعقول میں بلادلیل کے خدا کو واحد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول مانتا ہوں'' یہ جواب دینا تھا کہ شیطان دم دبا کر بھاگا اور حضرت شیخ نے خادم کو بشارت دی کہ الحمدللہ امام رازی شیطان کے جال سے نکل گئے۔

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست　　　دست او جز قبضہ اللہ نیست (۲)

بیعت کا فائدہ

اس میں علم غیب کا دعویٰ نہیں ہے کہ پیروں کو (معاذ اللہ) مریدوں کا حال ہمیشہ معلوم ہوجاتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ یہ حضرات مقبولان الٰہی ہیں (۳) تو جو

(۱) حضرت عمرؓ کو بطورِ کشف دوران خطبہ یہ بات معلوم ہوئی کہ لشکر اسلام کو دشمن نے گھیر لیا ہے (۲) ''پیر کا ہاتھ (توجہ) غائبوں سے کوتاہ نہیں ہے۔ اس کا ہاتھ سوائے اللہ کے دوسرے کے قبضہ میں نہیں ہے'' (۳) اللہ کے مقبول بندے۔

ان سے وابستہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو محروم نہیں رکھنا چاہتے۔ جس کے طرق مختلف ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک طریق یہ بھی ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ ان مشائخ کو کشف کے ذریعے سے اطلاع دے دیتے ہیں اور ان کو حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی امداد کرو اور کبھی شیخ کو اطلاع بھی نہیں ہوتی۔ کوئی لطیفہ غیبی شیخ کی صورت میں آکر مدد کر جاتا ہے(۱)۔ بس اصل یہ ہے کہ اگر ابتلاء اللہ کی طرف سے وارد ہے تو لطفاً انہی کی طرف سے درمان بھی ہے(۲)۔

درد از یارست ودرماں نیز ہم — دل فدائے اوشد وجان نیز ہم(۳)

بیماری بھی وہی دیتے ہیں نسخہ بھی وہی پلاتے ہیں یہ ہر وقت کا مشاہدہ ہے کہ اس طریق میں جال بھی ہیں اور ان کے کاٹنے کی قینچیاں بھی ہیں۔ اسی کو مولانا نہایت جوش سے فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دام ودانہ است اے خدا — ماچو مرغان حریص و بے نوا
دمبدم پابستہ دام تو ایم — گر ہمہ شہباز وسیمرغے شویم
می رہائی ہر دمے مارا وباز — سوئے دامے می رویم اے بے نیاز(۴)

ایک جال سے نکلتے ہیں دوسرے میں پھنستے ہیں پھر حق تعالیٰ نے اس کے کاٹنے کو بھی قینچی تیار کر رکھی ہے۔ بس یہی قصہ ہے کہ ہر وقت کا مرنا اور ہر وقت کا جینا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را — ہر زمان از غیب جان دیگر است(۵)

(۱) شیخ کی شکل میں کوئی فرشتہ مدد کر دیتا ہے (۲) اگر مصیبت اللہ کی طرف سے آئی ہے تو علاج بھی اللہ کی طرف سے ہوگا (۳) ''بیماری دوست کی طرف سے اور علاج بھی ۔ اس پر میرا دل فدا ہے اور جان بھی'' (۴) ''اے خدا سینکڑوں جال اور دانہ ہیں ہم پرندوں کی طرح حریص و بے نوا ہیں ہر دم آپ کے جال کے پابستہ ہیں اگرچہ شہباز اور سیمرغ کیوں نہ ہوں ایک جال سے آپ ہم کو رہائی دیتے اور ہم دوسرے جال میں پھنس جاتے ہیں'' (۵) ''تیرے خنجر کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والوں کو غیب سے ہر زمانے میں نئی جان عطا ہوتی ہے''

چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیماری دی کہ شیطان نے ان کو پریشان کردیا تو اس کے ساتھ دوا بھی نازل کی کہ شیخ کو کشف ہوگیا۔ شیخ نے خادم کو اس حال پر مطلع کیا اس نے امام کی سفارش کی کہ دستگیری فرمایئے شیخ کو جوش ہوا کیونکہ وہ ماذون من اللہ تھے اور انہوں نے باطناً بھی توجہ کی جس سے امام رازی کے قلب سے وساوس وخطرات رفع ہوگئے اور ظاہری اعانت بھی کی کہ وہ جواب تعلیم کیا جس نے شیطان کے جال کو تار تار کرکے توڑ دیا۔ اسی لئے تو حدیث میں ہے ''فَقِیۡہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیۡطَانِ مِنۡ اَلۡفِ عَابِدٍ ''(۱) ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔ یہاں فقیہ سے مراد عارف ہے جو مکائد شیطان سے واقف ہو(۲) جزئیات فقہ کا حافظہ مراد نہیں۔ کیونکہ جزئیات فقہ تو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ یاد تھے۔ مگر دیکھ لیجئے کہ شیطان کے جال کو کس نے توڑا۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اسرار اور حکم (۳) اور ابحاث سے تسلی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ان سے شیطان بھاگتا ہے۔ تسلی اسی سے ہوتی ہے کہ خدا کا حکم یوں ہی ہے بس ہم بے دلیل کے مانتے ہیں اسرار وحکم کے یا علم کشفیہ (۴) کے درپے نہ ہو یہ خطرات سے خالی نہیں۔ بس طریق تصوف سے اتنا حصہ لے لو کہ اخلاص واحسان حاصل کرلو جس کو نسبت کہتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہ لو۔ صوفیہ کی تحقیقات اور کشفیات کا مطالعہ یہ سانپ ہیں ان سے دور رہو۔ (۵)

نکتہ ہاچوں تیغ پولا دست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا(۶)

---

(۱) سنن الترمذی: ۲۶۸۱ (۲) شیطان کے مکر سے واقف ہے (۳) احکام الٰہی کی حکمتیں اور راز معلوم کرکے تسلی نہیں ہوتی (۴) بذریعہ کشف علم حاصل کرنے کی فکر میں نہ پڑو (۵) صوفیاء کی تحقیقات اور ان پر جو باتیں منکشف ہوئی ہیں ان سے احتراز کرو (۶) ''تصوف کی باریکیاں فولادی تلوار سے بھی زیادہ تیز ہیں جب تمہارے پاس ڈھال نہیں ہے واپس آؤ۔ اس تلوار کے سامنے بغیر ڈھال نہ آؤ۔ اس لئے کہ تلوار کو کاٹنے سے حیا نہیں آتی''۔

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ عامل اور ابحاث سے تسلی نہیں ہوتی بلکہ اطمینان اسی سے ہوتا ہے کہ اللہ ورسول اللہ ﷺ کا یہ حکم ہے۔ اس کی تائید اس قصہ سے تو ہوتی ہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔

وسوسہ کا علاج

حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وسوسہ کا علاج یہ بتلایا ہے کہ وسوسہ کے وقت ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' (میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا) کہو۔ کیا حضور ﷺ کو دلائل معلوم نہ تھے یقیناً معلوم تھے مگر دلائل میں غور کرنے کی تعلیم اسی لئے نہیں فرمائی کہ یہ سلسلہ غیر متناہی ہے۔ اس سلسلہ میں شبہات پر شبہات نکلتے چلے آئیں گے۔

جواب جاہلاں

اس لئے وہ بوٹی بتلائی جو ہزار جواہرات سے بھی انفع ہے (۱) مگر افسوس اس کی قدر نہیں کی جاتی کیونکہ بوٹی بہ نسبت جواہر کے ارزاں اور سہل الحصول ہے (۲) اور قاعدہ ہے۔

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرص ناں دہد (۳)

لوگ لمبے لمبے جوابوں کی قدر کرتے ہیں۔ مختصر اور سہل جواب کی قدر نہیں کرتے آج کل ہی میں شاملی سے ایک پان فروش کا خط آیا تھا جس میں اسی قسم کا سوال تھا۔ میں نے اس کا مختصر جواب دیا تو وہ لکھتے ہیں کہ خشک جواب سے تسلی نہیں ہوتی۔ چونکہ وہ پان فروش ہے اور پان پانی کا نر (۴) تو اس نے پانوں کی طرح

(۱) زیادہ مفید (۲) بآسانی مل جاتی ہے (۳) ''جو شخص کسی چیز کو ارزاں (سستی لے گا تو سستی دے دے گا) لیتا ہے، ارزاں دے بھی دیتا ہے۔ چنانچہ نادان بچہ قیمتی موتی کو روٹی کے ٹکڑے کے عوض دے دیتا ہے'' (۴) بطور لطیفہ کے کہا کہ پانی مؤنث ہے جس کا مذکر پان ہے اور پانی چونکہ گیلا ہوتا ہے اس لئے گویا پان فروش کو ایسا جواب چاہئے جو تر بتر ہو۔

جواب کے لئے بھی تری لازمی سمجھی۔

مگر یہ ایسا قیاس ہے جیسا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی باندی نے قیاس کیا تھا کہ ایک شخص شیخ سے ملنے آیا۔ باندی دروازہ پر نام پوچھنے گئی اور کچھ دیر تک اس سے باتیں کرکے واپس آئی تو شیخ نے پوچھا کون تھا؟ کہا غبداللہ (غین معجمہ سے) شیخ نے فرمایا غبداللہ کی اصل کیا ہے؟ کہا اس کی عین یعنی آنکھ میں نقطہ یعنی پھولا ہے اس لئے میں نے بجائے عبداللہ کے غبداللہ کہا۔ پوچھا وہ کیا کہتا تھا؟ کہا کچھ نہیں ایک معمولی بات تھی۔ میں نے خود ہی جواب دیا وہ یہ پوچھتا تھا کہ استنجا میں پاکی کب ہوتی ہے۔ کتنا دھویا جائے؟ میں نے کہا اتنا دھویا جائے کہ کھال چوں چوں بولنے لگے۔ جیسے برتن کو رگڑتے ہیں تو وہ چوں چوں کرتا ہے اس نے موضع استنجاء کو برتن پر قیاس کیا، ایسے ہی اس پان فروش نے جواب وسوال کو پانوں پر قیاس کیا کہ جواب بھی تر ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ قیاس غلط ہے۔ جواب کے لئے تری کی ضرورت نہیں۔ بعض دفعہ خشکی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ بعض دفعہ ضرب یضرب یعنی سختی کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور ضرب یضرب میں ایسی برکت ہے کہ اس سے بہت جلد تمام شبہات حل ہوجاتے ہیں۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

اَلْوَعْظُ یَنْفَعُ لَوْ بِالْعِلْمِ وَالْحِکَمِ　　وَالسَّیْفُ اَبْلَغُ وَعَاظٍ عَلَی الْقُمَمِ (۱)

اور کئی مرتبہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانچ کتابیں نازل فرمائی ہیں، چار تو مشہور ہیں تورات وزبور وانجیل وقرآن اور ایک پانچویں کتاب بھی آسمان ہی سے نازل ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ہے: ''وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَأْسٌ

(۱) ''نصیحت اگر علم وحکمت کے ساتھ ہو تو نفع پہنچاتی ہے اور تلوار سروں پر پڑنی نصیحت گروں میں سب سے بلیغ نصیحت گر ہے''۔

شَــدِیْـدٌ ‘‘ (اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے) جب چاروں کتابوں سے کسی کی اصلاح نہ ہو تو اس کے لئے پانچویں کتاب کی ضرورت ہے وہ حدید ہے یعنی نعلدار جوتا(۱)

اصلاح کا ایک طریقہ

ایک شخص وساوس میں مبتلا تھے اور میں ان کا علاج کرتا تھا ایک دن وہ کہنے لگے کہ اب تو یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ عیسائی ہو جاؤں میں نے اس کے جواب میں زور سے ایک دھول (۲) رسید کیا اور کہا نالائق جا دور ہو ابھی عیسائی ہو جا! اسلام کو ایسے ناپاکوں کی ضرورت نہیں! اس دھول کی ایسی برکت ہوئی کہ دس برس سے زیادہ زمانہ ہوا آج تک ان کو ایک دو شبہات بھی تو نہ ہوئے۔

اسی طرح ایک ذاکر کی عادت تھی کہ وہ ذکر میں اٹھ اٹھ کر بھاگتے تھے میں نے اس کا یہ علاج کیا کہ اپنے پاس بٹھلا کر ان سے ذکر کرایا اور جب بھاگنے لگے زور سے ہاتھ پکڑ کر بٹھلا دیا اور دو دھپ (۳) رسید کئے۔ پھر عمر بھر ان کو یہ جوش نہ آیا۔ خیر یہ طرز عمل تو سب کے ساتھ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہماری حکومت نہیں لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ جاہلوں کو منہ نہ لگایا جائے اور ان کے لایعنی سوالات (۴) کا خشک جواب دیا جائے اس سے بھی ان کا دماغ درست ہو جاتا ہے۔

منطقی کو جواب لاجواب

چنانچہ ایک بار میں سہارنپور گیا تو وہاں ایک صاحب بہشتی زیور بغل میں دبائے ہوئے لائے اور ایک مسئلہ دکھا کر مجھ سے کہنے لگے کہ یہ مسئلہ دیکھ لیجئے میں نے کہا میری تو ساری کتاب بار بار کی دیکھی ہوئی ہے۔ مجھے آپ کیا دکھلاتے ہیں؟

(۱) چمڑے کا جوتا (۲) تھپڑ زور سے مارا (۳) دو تھپڑ مارے (۴) بیکار سوالات۔

کہنے لگے یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا یا اس کی دلیل سمجھ میں نہیں آئی؟ اگر مطلب سمجھ میں نہیں آیا تو میں اس سے زیادہ آسان عبارت میں بیان کرنے پر قادر نہیں میرے نزدیک بہشتی زیور نہایت آسان اردو میں ہے۔ کہنے لگے کہ مطلب تو سمجھ لیا دلیل سمجھ میں نہیں آئی میں نے کہا کہ کیا اس مسئلہ کے سوا بہشتی زیور کے تمام مسائل کی دلیلیں آپ نے سمجھ لی ہیں؟ یا اور بھی کچھ ایسے مسائل ہیں جن کی دلیلیں معلوم نہیں ہوئیں؟ اور اگر سب کی دلیلیں معلوم ہوچکی ہیں تو مجھے سوال کی اجازت دیجئے کہ میں کسی مسئلہ کی دلیل آپ سے دریافت کروں؟ کہنے لگے کہ نہیں اور بھی بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی دلیل مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا پھر اس کو بھی اسی فہرست میں داخل کر لیجئے اسی کی دلیل جاننے کی کیا ضرورت ہے۔ بس اب ان کی منطق ختم ہوگئی اور کتاب بغل میں دبا کر رخصت ہوگئے بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص نے تین روز سے حضرات علمائے سہارنپور کو تنگ کر رکھا تھا اور وہ حضرات خوش اخلاقی سے اس کو دلیل سمجھا رہے تھے لیکن میں نے چار منٹ میں اس کو لاجواب کرکے اٹھا دیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حکیمانہ جواب

ان کے جانے کے بعد ایک صاحب جنٹلمین تشریف لائے اور تہذیب وخیر خواہی کے لہجے میں فرمانے لگے کہ بعض جہلاء اس مسئلہ پر طعن کرتے ہیں جس سے ہمارا دل دکھتا ہے کہ ہمارے سامنے ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہا جاوے اس لئے مناسب ہے کہ بہشتی زیور کے اس مسئلہ کے متعلق جو مخالفین کا اعتراض ہے اس کے جواب کے لئے ایک جلسہ منعقد کرکے حق کو واضح کردیا جائے۔ میں نے کہا کہ آپ کی خیر خواہی میں شک نہیں مگر یہ بتلایئے دنیا میں ایک جماعت یعنی دہریہ(۱)

(۱) ایک فرقہ ہے جو اللہ کے وجود کا منکر ہے۔

خدا تعالیٰ کو اور ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کو اور ایک جماعت صحابہؓ کو اور آئمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتی ہے اور یقیناً اس سے بھی آپ کا دل مجروح ہوتا ہے آپ نے اس کا کیا انتظام کیا ہے؟ ہر کام ترتیب سے اچھا ہوتا ہے آپ پہلے ان جماعتوں کا انتظام کر دیجئے اخیر میں ایسی جماعت کا میں انتظام کردوں گا جو بہشتی زیور پر طعن کرتے ہیں۔ بس اس کا کچھ جواب نہ تھا میں کہتا ہوں کہ جاہلوں کا جواب علمی جوابوں سے نہیں ہوسکتا بس ان کے لئے تو پانچویں کتاب ہو یا یہ کہ ان کو جواب مت دو۔ دھمکا دو خشک جواب دے دو جیسا میں نے سہارنپور میں دیا تھا۔

ہاں اگر کوئی استفادہ(۱) کی غرض سے سوال کرے اور اس میں استفادہ کی قابلیت بھی ہو تو اس کے لئے ہم ہر وقت علمی جواب دینے کو تیار ہیں۔ اور اگر استفادہ مطلوب نہ ہو یا اس میں اس تحقیق کی استعداد نہ ہو تو اس کو علمی جواب ہرگز نہ دو۔ کیونکہ اس سے اس کی اصلاح نہ ہوگی بلکہ اور زیادہ ہلاک ہوگا اور شبہات کا سلسلہ بڑھتا چلا جائے گا۔ دیکھو اگر ایک بوداسا(۲) آدمی آئے اور یہ کہے کہ میرے سر پر یہ دومن کا بورا اٹھوادو بتلایئے ہم کیونکر دومن کا بورا اس کو اٹھوادیں یقیناً اس کا تو گوہ(۳) نکل جائیگا۔

حکایت

جیسے ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ رات کو بستر پر پیشاب کرلیا کرتا تھا بیوی نے ملامت کی کمبخت یہ کیا حرکت ہے کہ تو بڑی عمر کا آدمی ہو کر رات کو بستر پر موتتا ہے(۴) کہنے لگا کیا بتلاؤں رات کو ہر روز شیطان خواب میں آتا ہے کہ چلو سیر کو چلیں میں ساتھ ہولیتا ہوں راستہ میں پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت میں اپنے نزدیک قدمچہ(۵) پر بیٹھ کر پیشاب کرتا ہوں اور وہ بستر پر نکل جاتا ہے۔

(۱) فائدہ اٹھانے کے ارادہ سے (۲) کمزور آدمی (۳) اس کا تو پاخانہ نکل جائے گا (۴) پیشاب کر دیتا ہے (۵) کموڈ یا ڈبلیوسی پر بیٹھ کر پیشاب کرتا ہوں۔

بیوی بھی اس کی بے وقوف تھی کہنے لگی کہ جب شیطان جو جنات کا بادشاہ ہے تمہارا ایسا دوست ہے تو اس سے یوں کہنا کہ ہم غریب آدمی ہیں کہیں سے بہت سا روپیہ ہم کو لادے۔ مرد نے کہا آج کی رات آیا تو ضرور کہوں گا چنانچہ رات کو خواب میں شیطان آیا اور اس نے بیوی کی فرمائش اس سے ظاہر کی۔ شیطان نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے دونوں چلے اور خزانہ میں لے جا کر شیطان نے اس کے اوپر روپیہ لادنا شروع کیا اتنا لادا کہ میاں کا گوہ نکل گیا(۱) صبح کو آنکھ کھلی تو خزانہ تو غائب، البتہ بستر پر پیشاب کے ساتھ گوہ کا ڈھیر(۲) موجود تھا۔ بیوی نے کہا کیا واہیات ہے؟ اس نے سارا قصہ کہا وہ کہنے لگی کہ میں ایسے خزانوں سے باز آئی تم پیشاب ہی کرلیا کرو۔ تو صاحبو! تحمل سے زیادہ کسی پر بوجھ لادنے کا انجام یہی ہے کہ اس کو حاصل تو کچھ نہ ہوگا ہاں ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل

اس لئے ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مناظرہ سے بہت نفرت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی تم سے کسی مسئلہ میں الجھے تو تم بحث کبھی نہ کرو بلکہ سب رطب ویابس اس کے سامنے رکھ کر خود الگ ہوجاؤ اور کہہ دو کہ تم اس میں حق وباطل کو خود ہی انتخاب کرلو جیسے ایک شخص نے حجام سے کہا تھا کہ میری ڈاڑھی میں سے سفید سفید بال چن کر الگ کردو۔ حجام نے استرہ سے ساری داڑھی جدا کر کے اس کے سامنے رکھ دی کہ مجھ کو اتنی فرصت نہیں آپ خود سفید وسیاہ کو الگ کرلیجئے۔

نااہل کو جواب دینے کا طریقہ

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص بانسری

(۱) اتنا سامان اس کے سر پر رکھا کہ وزن کی وجہ سے اس کا پاخانہ نکل گیا (۲) پاخانے کا ڈھیر۔

بجا رہا تھا کہ دفعۃً ریح صادر(۱) ہوئی تو اس نے بانسری منہ سے ہٹا کر دبر(۲) میں لگا دی اور کہا کہ بی اگر تو مجھ سے اچھا بجانا جانتی ہے تو تو ہی بجالے۔ حکایت تو فحش ہے مگر مولانا نے اس سے نتیجہ بہت عمدہ نکالا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب تم کوئی مضمون بیان کر رہے ہو اور کوئی مدعی نااہل بک بک کرنے لگے تو تم چپ ہو جاؤ اور اس سے کہہ دو کہ اچھا بھائی تو ہی بول لے ہم خاموش ہوتے ہیں مولانا نے اس جگہ مدعی کو دبر(۳) سے تشبیہ دی ہے واقعی بلیغ تشبیہ ہے کیونکہ مدعی بھی اپنی خرافات سے عالم کو متعفن(۴) کرتا ہے، مگر آج کل طلبہ میں یہ مرض ہو گیا ہے کہ وہ ہر شخص کے جواب دینے کو تیار ہو جاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو کچھ کام نہیں اس لئے ذرا ذرا سی بات میں بحث کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

حکیم الامت کے جوابات

ایک دفعہ میں ریل میں سوار تھا اپنے احباب میں تصویر کے مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی وہاں ایک پادری بھی بیٹھا ہوا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ہمارے پاس آیا اور کہا میں بھی پوچھ سکتا ہوں (یہ آج کل محاورہ ہو گیا ہے کہ وقوع سے صیغہ امکان میں سوال کرتے ہیں) میں نے کہا آئیے جناب پوچھئے (میں کفار کو جنابت(۵) سے جناب کہا کرتا ہوں کیونکہ وہ غسل جنابت نہیں کرتے) کہنے لگا کہ اسلام میں تصویر کیوں حرام ہے؟ اگر یہ سوال کسی نئے مولوی سے کیا جاتا تو دو گھنٹہ تک اس سے بحث کرتے مگر میں اس روگ کو نہیں پالتا میں نے جواب دیا کہ مسئلہ فروع میں سے ہے اور فروع سے اصول مقدم ہیں آپ کو ابھی تک ہمارے اصول ہی مسلم نہیں اس لئے فروع کے سوال کا آپ کو حق نہیں کہنے لگا یہ تو سچ ہے کہ مجھے اس سوال کا حق

---

(۱) ہوا خارج ہو گئی (۲) کولھوں کی طرف لگا دی (۳) نااہل مدعی کو مقعد سے تشبیہ دی (۴) دنیا میں بدبو پھیلاتا ہے (۵) حالت ناپاکی کو جنابت کہتے ہیں۔

نہیں مگر میں نے چاہا تھا کہ سفر میں علمی گفتگو سے مشغلہ ہو جاتا ہے میں نے کہا کہ مذہبی مسائل کو مشغلہ بنانا آپ کو مبارک ہو۔ ہمارا مذہب ایسا نہیں کہ ہم اس کو مشغلہ بنائیں۔ بس اب وہ خاموش تھا اور اپنے اس جواب پر سخت شرمندہ تھا۔

اسی طرح ایک بار ایک ہندو آریہ نے ریل میں مجھ سے پوچھا کہ اگر کوئی مسلمان ایک نیک کام کرے اور وہی کام کافر بھی کرے تو دونوں کا اجر برابر ہوگا یا کم زیادہ۔ میں نے کہا افسوس ہے آپ مجھ سے ایسا سوال کر رہے ہیں جس کا جواب خود آپ کے ذہن میں موجود ہے کہنے لگا یہ کیوں کر؟ میں نے کہا اس لئے کہ اس جواب کے مقدمات سب آپ کے ذہن میں ہیں کہنے لگا یہ کیونکر معلوم ہوا؟ میں نے کہا ابھی آپ اقرار کئے لیتے ہیں۔ سنیئے کیا آپ نہیں جانتے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کو حق اور دوسرے مذاہب کو باطل سمجھتا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ مذہب حق والا مثل مطیع سلطنت کے اور مذہب باطل والا مثل باغی سلطنت کے ہے۔ اور تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ بغاوت ایسا جرم ہے جو انسان کے تمام کمالات کو بے کار اور لاشئے کر دیتا ہے چنانچہ اگر کسی جامع الکمالات (۱) باغی کو پھانسی ہونے لگے کوئی عاقل یہ شبہ نہیں کرتا کہ اس کے کمالات کو مانع سزا نہیں سمجھا گیا اور یہ سب مقدمات بدیہی ہیں جو آپ کو پہلے سے معلوم ہیں اب ان سب کو ملا کر دیکھئے آپ کے سوال کا جواب خود نکل آئے گا اور ان مقدمات کو جان کر مجھ سے سوال کرنے کا مطلب بجز (۲) اس کے اور کیا ہے کہ میرے منہ سے اپنی نسبت کافر کا لفظ سننا چاہتے ہیں تو وہ آریہ اس تقریر پر فریفتہ ہو کر کہنے لگا کہ واقعی میری نیت یہی تھی کہ آپ مجھے کافر کہیں کیونکہ ایسے منہ سے کافر کا لفظ سننا بھی موجب لذت ہے۔ میں نے کہا یہ آپ کی لیاقت ہے لیکن میری اسلامی تہذیب مجھے اس سے منع کرتی ہے کہ میں بلا ضرورت کسی کا

(۱) جس میں بہت سے کمالات جمع ہوں (۲) سوائے۔

دل دکھاؤں۔ ریل میں سفر کرتے ہوئے اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ہم لوگ آپس میں مسائل شرعیہ کی تحقیق میں گفتگو کرتے ہیں تو کفار ان کو غور سے سنتے اور ان پر اثر ہوتا تھا کیونکہ حق میں ایک خاص کشش ہے جو باطل میں کبھی نہیں ہوتی۔

فضول بحث سے احتراز

چنانچہ ایک دفعہ ہم لوگ باتیں کررہے تھے تو چند ہندو آپس میں کہنے لگے کہ ان کی باتوں کی طرف دل کھنچتا ہے دوسرے نے کہا یہ سچے ہونے کی علامت ہے۔ ایک دفعہ ہم باتیں کررہے تھے جب اسٹیشن آگیا اور اترنے لگے تو ایک ہندو نے حاضرین سے کہا کہ کیا نور برس رہا تھا اب سارا نور یہ اپنے ساتھ لے چلے۔ تو صاحبو! آپ بحث ومباحثہ نہ کریں۔ آپس میں مسلمانوں ہی سے اسلام کی تعلیم پر گفتگو کرتے رہیں اسی کا کفار پر اثر ہوگا بحث کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ اس میں مخالف ضد پر آجاتا ہے اور سچے طالب تحقیق آج کل کہاں ہیں؟

ضرورتِ علم کلام

یہ سب گفتگو اس پر چلی تھی کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے قتال وشقاق (۱) کو تکفرون سے تعبیر فرمایا ہے اور میں نے کہا تھا کہ یہ استعمال محاورات کے موافق ہے حقیقت پر محمول نہیں۔ خوارج ومعتزلہ کی جہالت ہے کہ انہوں نے محاورات کو تدقیق پر محمول کرنا شروع کردیا (۲) اس لئے متکلمین کو علم کلام مدون کرنے کی ضرورت ہوئی اس پر یہ تقریر طویل ہوگئی اور یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ آج کل جو (یہ تفسیر اس لئے کی گئی کہ بعض جاہلوں نے ایک جلسہ میں لفظ ''ہم'' کی تفسیر ہندو مسلمان

(۱) لڑائی جھگڑے اور قتل وقتال کو کفر سے تعبیر کیا (۲) اس کو کفر پر محمول کرکے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہنے لگے۔

سے کی ہے اس طرح سے کہ ''ہ'' سے مراد ہندو اور ''م'' سے مراد مسلمان) ہم لوگوں میں یعنی مسلمانوں میں نااتفاقی ہے دیکھ لیا جائے کہ یہ کیسی سخت حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ حضرات صحابہؓ اس کو سن کر چونکے اور اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے ان کو دستور العمل بتلایا کہ خیر جو ہو چکا وہ ہو چکا گذشتہ تو گذشتہ ہوا آئندہ کا بندوبست کرو تا کہ پھر اس معصیت کا خطرہ نہ رہے۔ چنانچہ اول تقویٰ اور اسلام پر مداومت (۱) کا امر ہے پھر اعتصام بحبل اللہ (۲) کا امر ہے پھر ارشاد ہے: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ (۳) جس میں نعمت اتفاق کے یاد کرنے کا حکم ہے کہ اس نعمت کو اور اس کی برکات کو یاد کرو اور موازنہ کرو کہ تمہاری پہلے کیا حالت تھی اور اس کا نتیجہ کیسا وخیم تھا (۴) اور اتفاق کے بعد کیا حالت ہوگئی اور اس کا انجام نعیم مقیم ہے (۵)۔

تسہیل و تکمیل عمل

شاید بعض لوگوں کو اس وقت یہ خیال ہوا ہوگا کہ میں آج اتفاق واتحاد کا مضمون بیان کروں گا کیونکہ بظاہر یہاں یہی مضمون مذکور ہے لیکن مجھے دوسری بات بیان کرنا ہے جو اتفاق واتحاد کی بھی جڑ ہے اور وہ ایسی بات ہے جو راستہ طے کرنے والوں کو پیش آتی ہے اور ان کی ضرورت کی ہے کیونکہ مسلمانوں میں دو قسم کے آدمی ہیں ایک تو وہ جنہوں نے دین کا کام شروع ہی نہیں کیا دوسرے وہ جو کام شروع کر چکے ہیں اور راستہ میں ہیں۔ پہلی جماعت کا علاج تو یہ ہے کہ ان کو کام میں

(۱) ہمیشہ اسلام اور تقویٰ پر قائم رہنے کا حکم ہے (۲) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہے (۳) ''اور تم پر جو اللہ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے'' سورۃ الانعام: ۱۰۵ (۴) برا تھا (۵) ہمیشہ قائم رہنے والی نعمت ہے۔

لگا دیا جائے اور جو لوگ راستہ طے کررہے ہیں ان کے لئے ایصال (۱) کی ضرورت ہے تو یہ مضمون ایصال کی قبیل سے ہے اراءۃ طریق کی قبیل (۲) سے نہیں اور گو مضمون نیا نہیں لیکن عنوان نیا ہے چنانچہ معلوم ہوجائے گا کہ اس آیت کا مطلب اس عنوان سے بہت کم لوگوں نے سمجھا ہوگا۔

بیان میں اختصار

اب میں مقصود کو شروع کرتا ہوں اور ان شاء اللہ تعالیٰ مختصر ہی بیان کروں گا کیونکہ اول تو وہ بات ہی مختصر ہے دوسرے اس وقت کچھ طبیعت بھی مضمحل (۳) ہے جن بزرگوں کی وجہ سے یہ بیان ہورہا ہے ان کی درخواست تو کل گذشتہ کے متعلق تھی مگر کل طبیعت زیادہ مضمحل تھی کیونکہ کل رات ایک طوطے نے بے وقت ٹرٹر لگائی جس سے نیند اچاٹ ہوگئی پھر دیر تک نیند نہ آئی جب کچھ نیند آئی تو اس نے پھر بولنا شروع کیا آخر اس کو عالم بالا میں پہنچایا (یعنی بالاخانہ) تب کچھ نیند آئی مگر طبیعت بھری نہیں آج بھی طبیعت پر قدرے اضمحلال کا اثر ہے مگر کل جیسا نہیں اس لئے مختصر ہی بیان کروں گا۔ حضرات صحابہؓ نے بھی بعض دفعہ رسول اللہ ﷺ سے مختصر بات کا سوال کیا اور حضور ﷺ نے اس کو رد نہیں فرمایا بلکہ درخواست کو قبول کرکے مختصر بات بتلادی چنانچہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ احکام شرعیہ بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔ مجھے ایک مختصر بات بتلادیجئے جس کو میں دستور العمل بنالوں حضور ﷺ نے فرمایا: ''قُلُ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ'' کہ ایمان لایا میں اللہ پر اور اس پر استقامت کر)

صحابیؓ کے اس سوال سے یہ مراد نہ تھی کہ فرائض میں اختصار ہوجائے یا ایسی بات بتلادی جائے جس سے سب مسائل مستنبط ہوجائیں کیونکہ اس جواب سے جو حضور ﷺ نے دیا ہے سب مسائل کیسے مستنبط ہوں گے؟ بھلا سجدۂ سہو کا وجوب اس سے

(۱) منزل تک پہنچانے کی ضرورت ہے (۲) یہ مضمون صرف راستہ دکھانے والا نہیں بلکہ منزل تک پہنچانے والا ہے (۳) طبیعت میں ضعف ہے۔

کیونکر مستنبط ہو اور اگر کھینچ تان کر کے نکالا بھی گیا تو وہ استنباط نہ ہوگا بلکہ چپکانا ہوگا۔

فِرق باطلہ

جیسے آج کل ایک فرقہ قرآنیہ نکلا ہے جو حدیث کو نہیں مانتا پہلے ایک فرقہ غیر مقلدین نکلا تھا جس نے فقہ کو اڑادیا تھا اب یہ فرقہ نکلا ہے جس نے حدیث کو بھی اڑادیا۔ اندیشہ ہے کوئی کم بخت ایسا نہ نکلے جو قرآن ہی کو اڑادے (معلوم ہوا ہے کہ پٹیالہ میں ایک مدعی نبوت نکلا ہے وہ قرآن کی بھی نفی کرتا ہے۔ قاتلہ اللّٰہ من لعین مارد)(۱) آج کل یہ حالت ہے کہ ایک فتنہ دبنے نہیں پاتا کہ دوسرا کھڑا ہوجاتا ہے۔

اِذا سُدَّ مِنْهَا مَنْجَرٌ جَاشَ مَنْجَرٌ (۲)

سو اس فرقہ کے بانی سے کسی نے پوچھا کہ تم حدیث کی تو نفی کرتے ہو اور سارے مسائل قرآن ہی سے مستنبط کرتے ہو تو بتلاؤ کہ عدد رکعات نماز کی دلیل قرآن میں کہاں ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ اس کا جواب کل دوں گا بھلا یہ حماقت تو دیکھئے کہ استدلال تو کل ہوگا اور عمل پہلے ہی سے شروع کردیا۔ اگر یہ عمل قرآن پر مبنی تھا تو اس میں سوچ کیوں ہوئی اور قرآن پر مبنی نہ تھا تو کس پر مبنی تھا۔ اگر حدیث وفقہ پر مبنی تھا تو اس نے عمل سے ثابت کردیا کہ قرآن کے سوا بھی کوئی چیز حجت ہے۔ غرض اگلے دن آپ تشریف لائے اور دعویٰ کیا کہ میں قرآن سے رکعت صلوٰۃ کا ثبوت دوں گا سنیئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾(۳) کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو

(۱) اللہ تعالیٰ اس سرکش ملعون کو ہلاک کرے (۲) ''ایک فتنہ دباؤ تو دوسرا فتنہ کھڑا ہوجاتا ہے'' (۳) ''تمام ترحمد اللہ کو لائق ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر اور بازو ہیں''۔

پیام رساں بنایا ہے جن میں کسی کے دو بازو ہیں کسی کے تین کسی کے چار بس ایسی ہی نمازوں کی رکعات کا عدد مختلف ہے بھلا کوئی پوچھے کہ یہاں تو فرشتوں کے بازوؤں کا ذکر ہے اس کو رکعت صلوٰۃ سے کیا تعلق؟ اور اگر محض عدد کا ذکر ہی استنباط کے لئے کافی ہے تو پھر ایک رکعت کی بھی نماز ہونا چاہیئے کیونکہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں ایک کا ذکر ہے یہ تو وہی مثل ہوئی کہ کسی طالب علم سے کسی نے کہا تھا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں وہ جواب دیتا ہے کہ چار روٹیاں تو جیسے دو اور دو کی دلالت روٹیوں پر ہے ایسے ہی ''مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ '' کی دلالت رکعات پر ہوگی اس کو اثبات بالقرآن نہیں کہہ سکتے اثبات تو وہ ہے جو خود مفید مطلوب ہو بدوں ضم ضمیمہ کے (۱)۔ اگر حدیث سے پانچ وقت کی نمازیں اور ان کی رکعتوں کی تعداد معلوم نہ ہوتی تو کوئی شخص ''مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ '' سے رکعات نماز سمجھ سکتا تھا ہرگز نہیں تو اگر اس طرح ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ '' (اللہ پر ایمان لا اور اس پر مستقیم رہ) سے سب مسائل مستنبط کئے جائیں تو اس کا تو کچھ علاج نہیں ورنہ خود یہ کلام استنباط مسائل کے لئے ہرگز کافی نہیں اور نہ حضور ﷺ کا یہ مطلب ہے کہ ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ '' (ایمان لا اللہ پر پھر اس پر مستقیم رہو) سارے مسائل کے استنباط کو کافی ہے۔

صحابی کے سوال کا فائدہ

اب یہ سوال ہوگا کہ پھر صحابی کے سوال اور حضور ﷺ کے جواب کا کیا مطلب ہے تو اس کو حضرات صوفیہ نے سمجھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابی نے ایسا دستور العمل پوچھنا چاہا تھا جو تمام اعمال میں کام آوے اور سب کو سمیٹ دے جیسا کہ صوفیہ مریدین کو مراقبہ رویت (۲) وغیرہ بتلایا کرتے ہیں جو تمام اخلاق رذیلہ (۳)

(۱) کسی ضمیمہ کے ملائے بغیر (۲) ہر وقت یہ خیال جمائے رکھے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے (۳) برے اخلاق۔

غضب وحرص وکبر وغیرہ میں کام آتا ہے اور تنہا سب کے علاج کو کافی ہوجاتا ہے اور اگر ہر مرض کا جدا جدا (۱) علاج کیا جائے تو بڑی مدت چاہیئے اب انہوں نے ایسی بات بتلائی جس کے رسوخ سے (۲) ایک دم سارے امراض اور معاصی (۳) کی جڑ اکھڑ جائے گی کیونکہ ہر شخص ہر وقت اس بات کو پیش نظر رکھے گا کہ حق تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں وہ نہ تکبر کر سکے گا، نہ غصہ بے جا، نہ گناہ صغیرہ کر سکے گا نہ کبیرہ تو حضور ﷺ سے صحابی نے ایسی ہی بات دریافت کرنا چاہی تھی جس کے جواب میں حضور ﷺ نے یہ فرمایا: ''قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ '' کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا استحضار (۴) رکھو اور اس کے بعد ہر عمل میں استقامت (۵) کا لحاظ کرو کہ نہ تسویف ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ہر وقت اس کا استحضار رکھے گا کہ میں خدا پر ایمان لا چکا ہوں تو وہ تمام احکام کو خوشی سے بجالائے گا اور کسی حکم میں چوں وچرا نہ کرے گا یہ تو تسہیل عمل کا طریق تھا اس کے بعد تکمیل عمل کا طریقہ بتلادیا کہ استقامت کا لحاظ رکھو یہاں سے حضور ﷺ کی بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے دو جملوں میں تمام طریق کو سمیٹ دیا جس میں تسہیل عمل بھی ہے اور تکمیل بھی ہے۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مختصر بات کا دریافت کرنا اور بتلانا بھی سنت ہے اسی لئے مجھے طریق میں اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ ایسی مختصر بات بتلائی جائے جو سب باتوں پر حاوی ہو۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر و مدلل کلام

چنانچہ ایک دفعہ میں نے اخلاق رذیلہ کا علاج دو لفظوں میں تجویز کیا تھا ''تامل وتحمل'' کہ جو کام کرے سوچ کے کرے کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے کام کیا کرے۔ مجھے اختصار کے ساتھ قافیہ کا بھی خبط ہے۔ اس سے یاد میں

(۱) الگ الگ (۲) دل میں جم جانے سے (۳) گناہوں کی (۴) ہر وقت اللہ پر ایمان لانا پیش نظر رہے (۵) مستقل مزاجی۔

سہولت ہوتی ہے۔اس لئے ایک دوست کا فیصلہ ہے کہ یہ نثر میں شاعر ہے۔ابھی کچھ دن ہوئے میں نے ایک زمین لی ہے جب اس کے لینے کا ارادہ ہوا تو میں نے اس کے متعلق یہ دعا تجویز کی تھی۔''اَللّٰھُمَّ حَصِّلْ اَللّٰھُمَّ کَمِّلْ اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ اَللّٰھُمَّ سَھِّلْ ''(۱) جس میں چاروں جملے مقفی ہیں اسی طرح طریق میں طالبین کے لئے ایک بار یہ دستورالعمل تجویز کیا اطلاع واتباع۔کہ اپنے احوال واعمال سے شیخ کو مطلع کرتے رہیں اور اس کی تجویز پر عمل کریں۔ایک دفعہ یہ تجویز کیا تھا کہ انقیاد واعتماد (۲)۔اس وقت پہلی مقفی عبارت ذہن سے نکل گئی تھی تو جب ایک قافیہ دار عبارت بھول جاتا ہوں دوسری قافیہ دار عبارت تجویز کر لیتا ہوں۔ممکن ہے کسی وقت یہ بھی ذہن سے نکل جائے تو تیسری قافیہ دار تجویز کرلوں گا۔یہ تو جنم روگ ہے (۳) جیسا ایک آزاد مزاج بزرگ نے حفظ قرآن کو جنم روگ بمعنی دائم الرعایت (۴) فرمایا تھا کیونکہ حفظ قرآن کے لئے بھی ہر وقت کی فکر کی ضرورت ہے۔جہاں ذرا غافل ہوا اور ذہن سے نکلا چنانچہ جو لوگ ہمیشہ نہیں پڑھتے۔ان کو اس سے اجنبیت ہو جاتی ہے۔جیسے مولوی احمد حسن صاحب کانپوری فرماتے تھے کہ رمضان میں جو میں قرآن تراویح کے اندر پڑھتا ہوں تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ قرآن پڑھ رہا ہوں یا تورات وانجیل۔کیونکہ ان کو سال کے اندر کثرت تدریس کے سبب تلاوت کی نوبت کم آتی تھی مگر بعض لوگوں کا حافظہ اچھا ہوتا ہے وہ باوجود عدم مشغولی کے اور بے فکری کے بھی نہیں بھولتے۔

الطاف حسین حالی کا حفظ قرآن

حالی شاعر کا واقعہ میں نے پانی پت میں مولوی عبدالسلام صاحب انصاری مرحوم

(۱) ''اے اللہ حاصل کرادے اے اللہ پورا کرادے اے اللہ جلدی کرادے اے اللہ آسان کرادے''(۲) شیخ پر اعتما اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرنا (۳) پوری زندگی کا مشغلہ ہے (۴) پوری زندگی اس کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے رہنا۔

سے سنا ہے کہ ان کو قرآن حفظ تھا مگر حفظ کے بعد ابتدائے جوانی میں کبھی محراب سنائی ہوگی پھر شاعری اور لیڈری کے قصہ میں پڑ گئے تو برسوں محراب نہیں سنائی نہ تلاوت کا شغل رہا۔ مگر حافظہ ایسا اچھا تھا کہ بڑھاپے میں بھی قرآن خوب یاد تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ان کے بڑھاپے میں پانی پت کے چند لڑکوں نے شبینہ کرنا چاہا اور یہ شوخی سوجھی (۱) کہ حالی سے اس شبینہ کی شراکت کی درخواست کرو۔ چنانچہ سب مل کر ان کے پاس گئے کہ حضور آج ہم سب نے شبینہ کا قصد کیا آپ ہماری سرپرستی فرمائیں اور ایک منزل آپ بھی سنائیں۔ حالی نے کہا کہ بھائی میں نے تو بہت زمانہ سے قرآن نہیں سنایا جو کچھ یاد تھا سب بھول بھال گیا۔ مجھے معاف کرو! مگر لڑکوں نے نہ مانا اور اصرار کیا۔ مجبور ہوکر درخواست منظور کی اور کہا کہ اتنا تو بتادو کہ میرے ذمہ کونسی منزل ہوگی چنانچہ سب سے زیادہ مشکل منزل جس میں متشابہات زیادہ ہیں ان کے لئے تجویز کی گئی اور نوجوان حافظ اپنے دل میں خوش ہورہے تھے کہ آج بڈھے کی خوب رسوائی ہوگی (۲) یقیناً خوب غوطے (۳) کھاویں گے۔ مگر جب رات ہوئی اور حالی کے پڑھنے کی باری آئی تو ظالم نے ایسا اچھا سنایا کہ ایک جگہ بھی تو نہ اٹکا اس وقت سب کو معلوم ہوا کہ ان کو قرآن واقعی یاد ہے۔ بھولے نہیں سو ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کو باوجود عدم مزاولت (۴) کے بھی ایسا یاد رہے ورنہ عام حالت یہی ہے کہ قرآن بدون دائمی مزاولت (۵) کے یاد نہیں رہتا۔

وصول الی اللہ کا طریقہ

اسی قیاس پر ایک اور تفریح کرتا ہوں کہ اسی طرح اس طریق میں بھی قلت کی نگہداشت عمر بھر کا روگ ہے کسی وقت غفلت کی اجازت نہیں۔

(۱) یہ شرارت کی (۲) بڑے میاں کو آج خوب شرمندگی ہوگی (۳) دوران تلاوت کثرت سے متشابہ لگے گا (۴) بار بار نہ پڑھنے کے باوجود (۵) بغیر مستقل پڑھے یاد نہیں رہتا۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کنند آگاہ نباشی(۱)

اور

اندریں رہ می تراش و می خراش تادمے آخر دمے فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود(۲)

لذت پریشانی

اور ایک اور لطف صنع ہے کہ اگر کسی وقت سالک غافل ہونا بھی چاہے تو حضرت حق غافل نہیں ہونے دیتے۔ ایک سپاہی ایسا مسلط کردیا ہے جو کان پکڑ کر کھڑا کردیتا ہے۔ بےفکر نہیں ہونے دیتا اور اس سپاہی کا حلیہ میں بیان نہیں کرسکتا کہیں سننے والے بےچین نہ ہوجائیں جو لوگ آرام میں ہیں ان کو کیوں بےچین کیا جائے۔ تو وہ سپاہی آ کر کہتا ہے کہ ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر آنے والا ہے اس سے غافل ہوکر کہاں جارہا ہے۔ بس جہاں غفلت ہوئی اور یہ دن پیش نظر ہوجاتا ہے اس لئے سالک غافل نہیں رہ سکتا کبھی تجلی جلال منکشف ہوتی ہے(۳) وہ دل کو تھرادیتی ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ اہل اللہ بڑی چین میں ہیں ان کو کچھ فکر نہیں بےشک دنیا کی تو ان کو فکر نہیں مگر دنیا کی فکر نہ ہونے کا منشا(۴) بےفکری نہیں بلکہ ایسی عظیم الشان فکر ہے جس نے عصائے موسوی کی طرح سب فکروں کو نگل لیا ہے(۵) واللہ جو فکر ان کو ہے اگر آپ کو ہوجائے تو رات کا سونا بھول جائیں۔

---

(۱) ایک پلک مارنے کی مقدار بھی محبوب حقیقی سے غافل مت ہو شاید کہ تم پر لطف کی نگاہ کریں اور تم آگاہ نہ ہو‘‘

(۲) ’’تم کو چاہیے کہ طریق وصول الی اللہ میں ہمیشہ ادھیڑ بن میں لگے رہو اور آخری وقت تک ایک لحظہ بھی فارغ مت ہو کیونکہ آخری وقت تک کوئی گھڑی ایسی تو ضرور ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہمراز اور رفیق بن جائے گی‘‘ (۳) اللہ تعالیٰ کی جلال تجلی کا ظہور ہوتا ہے جس سے دل کانپ جاتا ہے (۴) سبب (۵) جیسے حضرت موسیٰ کے عصا نے سب سانپوں کو نگل لیا تھا۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند (۱)

سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

خوشا وقت شوریدگان غمش اگر ریش بینند وگر مرہمش

گدایان از بادشاہی نفور بامیدش اندر گدائی صبور

دمادم شراب الم درکشند وگر تلخ بینند دم درکشند (۲)

سالکین کا حال

غرض سالک کے لئے نئے نئے سبق ہمیشہ تازہ ہوتے رہتے ہیں جو کسی وقت اس کو غافل نہیں ہونے دیتے اور وہ سب تقویٰ ہی کی افراد سے ہیں (۳) جس کا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (۴) میں امر ہے اس وقت اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تقویٰ کا عنوان بہت وسیع ہے اور ضرورت اس کی ہے کہ مختصر بات بتلائی جائے جس سے تمام اعمال سہل (۵) ہوجائیں اور تمام مقامات طریق حل ہوجائیں (۶) میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اس مضمون کے بعد آپ کو پریشانی ہی نہیں ہوگی بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اگر پریشانی ہوگی تو لذیذ ہوگی کہ آپ اس پریشانی کے بدل ہفت اقلیم (۷) کا لینا بھی منظور نہ کریں گے۔ باقی پریشانی کے رفع (۸) ہونے سے

(۱) ''تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلواریں چل رہی ہیں'' (۲) ''اس کے غم کے پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں تو اس پر مرہم رکھتے ہیں۔ ایسے فقیر بادشاہی سے نفرت کرنے والے اس کی امید پر فقیری میں قناعت کرنے والے ہردم رنج کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں'' (۳) یہ سب تقویٰ کی اقسام ہے (۴) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے سوائے اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دو'' (۵) آسان (۶) راہ سلوک کی تمام مشکلات حل ہوجائیں (۷) ساری دنیا کی دولت (۸) دور ہونے۔

تو امید ہی قطع کر دیجئے کیونکہ آپ تو پریشانی ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں یہ تو جنت ہی میں پہنچ کر ختم ہوگی خدا تعالیٰ وہاں سرخرو کر کے ہم کو پہنچا دیں (آمین ثم آمین)

بعض سالکین کا اشکال

اور بعض کوتاہ نظر (۱) عاشقوں نے تو جنت میں بھی پریشانی کو ختم نہیں مانا۔ چنانچہ ایک عاشق کا قول ہے: ''انّ فی الجنان لجنة لیس فیها حور ولا قصور ولکن فیها ارنی '' (جنتوں میں ایک جنت ایسی ہے جس میں نہ حوریں ہیں نہ محلات اور ارنی ارنی سے۔ مجھ کو اپنا دیدار دکھا مجھ کو اپنا دیدار دکھا)

یہ قول ''قلت ویحتمل ان یکون الکشف صحیحا ولکنه ای صاحب الکشف اخطاء فی قوله ان اهل هذه الجنة لا راحة لهم وانهم فی کرب واضطراب بل لکن ان یکون لهم فی ارنی ارنی راحة لیس بغیرهم فی الحور والقصور ولا یکون منشاء قولهم ارنی ارنی کربهم واضطرابهم ولا قلقهم بل منشاء ہ الادلال علی اللّٰه وطلب رویته اظهاراً للمحبة وهذا فانهم لاادب لهم فی غیره جل وعلا اللّٰه سبحانه اعلم ''(۲) واقع میں صحیح نہیں اور کشف حجت نہیں مگر اس صاحب کشف نے جو دلیل بیان کی ہے اس دلیل سے مجھے بھی بہت دنوں شبہ رہا وہ یہ کہ حسن و جمال حق حقیقۃً بے نہایت ہے (۳) اور عاشق کا عشق وطلب بمعنی لاتقف عند حد بے نہایت (۴) ہے پھر چین کیونکر ہو وہاں تو یہ حال ہے۔

---

(۱) کم نظر (۲) میں کہتا ہوں کہ اس کشف کے صحیح ہونے کا احتمال ہے لیکن صاحب کشف کی یہ تشریح درست نہیں ہے یہ اہل جنت اضطراب وتکلیف میں ہوں گے بلکہ ممکن ہے کہ ان کو اَرنی اَرنی کہنے میں وہ راحت ولطف حاصل ہو جو دوسروں کو حور وقصور میں بھی نہ ہو ان کے اَرنی اَرنی کہنے کی وجہ ان کی تکلیف پریشانی ورنج نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ سے محبت کی بنا پر اس سے اس کی رویت کو بار بار طلب کرتے ہوں گے۔ ان کے علاوہ کسی کا یہ مرتبہ نہیں ہے کہ وہ اللہ سے اس طرح مطالبہ کرے (۳) اللہ کے حسن وجمال کی کوئی حد وانتہاء نہیں ہے (۴) عاشق کی طلب اس معنی کے اعتبار سے کہ وہ کسی حد پر جا کر رکتا نہیں ہے بے نہایت ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں بمیر وتشنہ مستسقی ودریاں ہم چناں باقی (۱)

اور یہ کیفیت ہے

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار گلچیں بہار تو زداماں گلہ وارد (۲)

اور ایک عاشق کہتا ہے

(جتنی زیادہ تیرے چہرہ پر نظر ڈالتا ہوں اتنا تیرے چہرے پر حسن زیادہ معلوم ہوتا ہے)

جواب اشکال

یہ ہے ان کی دلیل اس دلیل سے میں بہت روز تک چکر میں رہا اسی واسطے کہتا ہوں کہ بس نماز روزہ میں لگے رہو اور ان کشفیات واسرار کے پیچھے نہ پڑو یہ بلائے بے درماں (۳) ہے پھر بحمد للہ اس کا جواب سمجھ میں آ گیا وہ یہ کہ یہاں تو شوق لاتقف حد (۴) اس لئے ہے کہ ہمارے اندر وصال حق کی جتنی استعداد پیدا کی گئی ہے یہاں کے مشاہدہ سے اس استعداد کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ یہاں ہم کو حق تعالیٰ کا ناتمام وصال حاصل ہوتا ہے کہ بعض افراد میں استعداد اس سے زیادہ ہے وہ تقاضا کرتے ہیں کہ ہمارا حق بھی ادا ہو اور جنت میں تمام افراد کی استعداد کا تقاضا بھی پورا کر دیا جائے گا پھر چین ہو جائے گا اور اس سے حسن حق کا محدود (۵) ہونا لازم نہیں آتا بلکہ استعداد طالب کا متناہی (۶) ہونا لازم آیا مگر اس عاشق نے استعداد طالب کو بھی غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حد (۷) سمجھ لیا اس لئے اشکال پیش آیا۔ اور منشاء اس دھوکہ کا یہ ہوا کہ دنیا میں عاشق کا شوق لاتقف عند حد ہی ہے (۸) اس سے وہ یہ سمجھا کہ عشق

---

(۱) ''نہ اس کے حسن کی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی کوئی انتہا ہے جیسے جلندہر والا پیاسا مر جاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح محبوب کا بیان باقی رہ گیا'' (۲) ''دامان نگاہ تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول بے حد ہیں گل پھول چننے والا تنگی دامن کا گلہ رکھتا ہے'' (۳) بہت بڑی مصیبت ہیں (۴) یہاں تو شوق بے نہایت ہے (۵) اللہ کے حسن وجمال کا محدود ہونا لازم نہیں آتا (۶) بلکہ طالب کی استعداد کا متناہی ہونا لازم آتا ہے (۷) اس عاشق نے طالب کی استعداد طلب کو لامتناہی سمجھ لیا کہ وہ کسی جگہ جا کر ٹھہرے گا نہیں (۸) دنیا میں عاشق کا شوق دیدار کسی حد پر منتہی نہیں ہوتا۔

فی نفسہٖ لاتقف عند حد ہے(۱) حالانکہ ایسا نہیں بلکہ فی نفسہٖ محدود ومتناہی ہے(۲) اور دنیا میں اس لئے لاتقف عند حد ہے کہ یہاں اس کی استعداد کے تمام افراد کا تقاضا پورا نہیں کیا گیا اور جنت میں ہر فرد کی استعداد کا تقاضا پورا ہوجائے گا جس سے سکون کامل ہوجائے گا اور یہ میں کسی طبعی قاعدہ پر مبنی کرکے نہیں کہتا بلکہ نص کی بناء پر کہتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ط اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ج لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ۝﴾(۳)

حسن ایں قصہ عشق ست در دفتر نمی گنجد ۔۔۔ قلم بشکن سیاہی ریز وکاغذ سوز ودم درکش(۴)

اور ایک شاعر کہتا ہے

کہ می بالد نجود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا ۔۔۔ نگردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا(۵)

اور مولانا فرماتے ہیں:

ہرچہ بروئے می رسی بروئے مایست ۔۔۔ اے برادر بے نہایت در گیہت(۶)

اور گو عاشق کا عشق بالفعل متناہی ہے مگر چونکہ اس کا منشا حسن وجمال حق ہے اور وہ بے نہایت ہے تو اس کا عشق بھی لاتقف عند حد ضرور ہوگا پھر چین کیونکر آئے عاشقان مجازی کو تو وصال محبوب سے اس لئے چین آجاتا ہے کہ ان کے محبوب کا حسن متناہی ہے وصال کے بعد جی بھر کر اس سے متمتع ہوگئے اور سکون ہوگیا اور جس کے محبوب کا حسن بے غایت ہو اس سے تو جتنا متمتع ہوگا اور نیا درجہ حسن کا ظاہر ہوگا جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔

---

(۱) اس سے وہ یہ سمجھا کہ عشق کی کوئی انتہاء نہیں ہے (۲) اپنی ذات کے اعتبار سے عشق بھی محدود ومتناہی ہے (۳) ”اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا یقیناً ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام پر اتارا جہاں نہ ہم کو کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو خستگی پہنچے گی“ سورۃ الفاطر: ۳۴۔۳۵ (۴) قلم توڑ روشنائی بکھیر کاغذ جلا خاموش رہ حسن یہ عشق کا قصہ ہے جو دفتر میں نہیں سما سکتا“ (۵) ”عشق کا راستہ دوڑنے سے ہرگز قطع نہیں ہوتا جس طرح انگور کو جتنا زیادہ قطع کرو اور بڑھتا ہے یہی حال اس راستہ کا ہے“ (۶) اے برادر بے نہایت درگاہ ہے جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھہرو بلکہ آگے کو ترقی کرو“۔

یَـــزِیْــدُکَ وَجْهَـــهٗ حُسْـنًــا　　　اِذَا مَـــا زِدْتُــــهٗ نَـظَــرًا (۱)

اگر جنت میں بھی پریشانی رہی تو پھر عشق کو لے کر کیا کریں گے اس صاحب کشف کی نظر سے یہ مقدمہ نکل گیا کہ دنیا میں عشق اس لئے لاتقف عندحد ہے کہ یہاں استعداد عاشق کے جملہ افراد کا تقاضا پورا نہیں کیا گیا(۲)۔ اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے ناکاروں کو اس مقدمہ پر اطلاع کردی اور یہ بھی ان بزرگوں کی برکت ہے جیسے کبھی کمزور باپ کے قوی لڑکا پیدا ہوتا ہے لیکن وہ قوی ہو کر بھی ہے بیٹا ہی اور وہ کمزور اس کا باپ ہے بہرحال جنت میں تو چین ہوگا مگر دنیا میں چین نہیں بعض لوگ یہاں طالب راحت ہیں یہ ان کی غلطی ہے بھلا عشق اور چین۔

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن　　　دل بدست دگرے دادن وحیراں بودن
سوائے زلفش نظرے کردن درویش دیدن　　　گاہ کافرشدن وگاہ مسلمان بودن (۳)

صوفیاء کی اصطلاحات

کافرشدن سے پریشان نہ ہونا یہ ان صوفیوں کی اصطلاح ہے ان کے یہاں فانی کو کافر اور صاحب بقا کو مسلمان کہتے ہیں اور ایسی وحشت ناک اصطلاحیں انہوں نے گالیاں کھانے کو مقرر کی ہیں مگر اعتراض کا کسی کو حق نہیں کیونکہ قرآن میں بھی تو ہے۔ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (سو جو شخص شیطان سے بد اعتقاد ہو)

اور ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کَفَرْنَا بِکُمْ (ہم تمہارے منکر ہیں) بس اتنا فرق ہے کہ قرآن میں صلہ بھی مذکور ہے اس لئے وحشت نہیں ہوتی اور صوفیہ کو صلہ رحمی نہیں آتی ان کی بات سے لوگ متوحش

(۱) ''جب میں اس کے چہرے پر نظر ڈالتا ہوں اس کے حسن کی خوبی مجھ پر کھلتی جاتی ہے'' (۲) دنیا میں عشق کی کوئی حد اس لئے معلوم نہیں ہوتی کہ عاشق کے تمام افراد کی تسلی نہیں ہوتی (۳) ''عاشقی کیا ہے محبوب کا بندہ بن جانا دل دوسرے (محبوب) کے قبضہ میں دے دینا اور حیران رہنا محبوب کی زلف کی طرف نظر کرنا اور اس کے چہرہ انور کو دیکھنا کبھی فانی ہونا اور کبھی باقی ہونا ہے''۔

ہوتے ہیں مگر حقیقت واضح ہوجانے کے بعد الفاظ سے متوحش نہ ہونا چاہیے اسی اصطلاح کے موافق حضرت خسرو فرماتے ہیں:

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست (۱)

مگر تم ان اشعار کو نقل کے طور پر بھی نہ پڑھنا کیونکہ وہ تو مغلوب تھے۔ اس لئے معذور تھے اور تم ان کو پڑھ کر مسلوب (۲) ہی ہوجاؤ گے اور اگر کوئی نجدی آگیا تو مصلوب (۳) بھی ہوجاؤ گے اور جو عاشق ہوگا وہ تو خود ہی بک بک لگائے گا۔ وہ میرا اور تمہارا کسی کا کہنا نہ مانے گا لیکن وہ نقل کے طور پر نہ پڑھے گا بلکہ مغلوب ہوکر پڑھے گا۔ سو وہ بھی امیر خسرو کی طرح معذور ہے۔ غرض تم آرام کے طالب نہ بنو جیسے بعض سالکین دفع خطرات (۴) کے طالب ہیں کہ ایسی حالت ہوجائے کہ وساوس وخطرات پاس ہی نہ آئیں یہ بھی راحت کے طالب ہیں۔ میں اس وقت آپ کو ایسی چیز بتلانا چاہتا ہوں جو پریشانی کو لذیذ کردے کیونکہ میں کہہ چکا کہ پریشانی تو جنت سے ورے (۵) ختم نہیں ہوسکتی ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پریشانی کو لذیذ کردیا جائے اور یہ بھی ایک طرح پریشانی کا خاتمہ ہی ہے۔ تو میں ایسی بات بیان کرنا چاہتا ہوں جو تمام اعمال میں کام آئے۔ اور غفلت سے روکتی رہے اور پریشانی کے وقت ہمت بندھائے اور وہ نئی بات نہیں بلکہ وہ وہی ہے جس کا نام قرآن میں کہیں تقویٰ ہے کہیں اعتصام بحبل اللہ ہے اور اسی کا نام ذکر نعمت بھی ہے۔

عباراتنا شتّی وحسنك واحد وكلّ الٰی ذاك الجمال يشير (۶)

یہ سب عنوانات ایک ہی معنون کے ہیں جاننے والا ہر لباس میں اس کو پہچان لیتا ہے۔

(۱) ''میں عشق میں فانی ہوں بقا مجھے درکار نہیں ہے میری رگ تار ہوگئی ہے مجھے زنار کی ضرورت نہیں'' (۲) تم سے سب کچھ چھین لیا جائے گا (۳) پھانسی ہی دیدئے جاؤ گے (۴) بعض سالکین یہ چاہتے ہیں کہ عبادت میں کوئی وسوسہ ہی نہ آئے (۵) پریشانی جنت میں جانے سے پہلے ختم نہیں ہوسکتی (۶) ''عنوانات مختلف ہیں معنون ایک ہی جمال محبوب ہے ہر ایک عنوان اسی جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے''۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت رامی شناسم (۱)

تفویض پر مداومت

صاحبو! اس وقت میں جس چیز کا پتہ دینا چاہتا ہوں وہ اسلام ہے جو ظاہر ہے کہ ان سب عنوانات میں موجود ہے مگر میں اس وقت اسلام کو دوسرے عنوان سے بیان کروں گا کہ اس عنوان سے بہت کم لوگوں نے اس کو دیکھا ہے اسی لئے اسلام کے لفظ سے ادھر ذہن نہیں جاتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام کا لفظ زبانوں پر اس درجہ شائع ہو گیا ہے (۲) کہ اب اس سے اس کا مصداق تو متبادر ہوتا ہے مگر مفہوم کی طرف کسی کو التفات نہیں ہوتا اگر لوگ اسلام کے لغوی معنی پر بھی نظر کر لیا کرتے تو اس حقیقت سے قریب ہو جاتے ہیں جس کو میں اس وقت بیان کروں گا۔ تو سنئے اسلام کے معنی لغت میں سپرد کرنے کے ہیں جس کو تسلیم بھی کہتے ہیں میں اسی کو اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں جس کو صوفیہ نے تفویض سے تعبیر کیا ہے۔

اسلام کی حقیقت

یہی اسلام کی حقیقت ہے مگر اب لفظ اسلام سے اس کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا قرآن میں کہیں اسلام کا ذکر مجملاً ہے کہیں مفصل ہے (۳) اور مفصل بمعنی تفویض ہی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿بَلٰی ق مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ الآیۃ (۴) دوسری جگہ ہے ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا﴾ (۵)

---

(۱) ''خواہ کسی رنگ کا لباس پہن لو قد کے اندازے میں پہچان لیتا ہوں'' (۲) عام ہو گیا (۳) کہیں اجمالاً ذکر ہے کہیں تفصیلاً (۴) ''جو شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو'' (۵) ''اور ایسے شخص سے اچھا زیادہ کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ شخص مخلص بھی ہو اور ملت ابراہیم کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں''۔

اور ایک جگہ ہے ﴿وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (۱) یہاں اسلام وجہ کے ساتھ اتباع ملت ابراہیم کا بھی ذکر ہے اور اس کو دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۭ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۲) جس سے معلوم ہوا کہ ملت ابراہیم بھی اسلام وجہ رب العالمین ہے کہ اپنے کو خدا کے سپرد کردے جس کو ایک مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ﴿اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا﴾ (۳) سے بیان فرمایا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن میں اسلام کی تفسیر اسلام وجہ ہے جس کے پورے معنی نماز روزہ کے نہیں ہیں بلکہ اسلام وجہ بمعنی تفویض ہے یعنی اپنی ذات کو خدا کے سپرد کردینا اور اپنے کو ہر تصرف الٰہی کے لئے آمادہ کردینا کہ وہ جو چاہیں کریں جو چاہیں حکم دیں سب منظور ہے نماز روزہ بھی اس تفویض کا ایک فرد ہے لیکن عین نہیں اگر قرآن میں اسلام کا استعمال اطلاق ہی کے ساتھ ہوتا اور اس کے ساتھ وجہ اللہ یا وجہ الی اللہ مذکور نہ ہوتا تو یہ بھی احتمال تھا کہ اسلام بمعنی اطاعت ہے مگر ان قیود کے ساتھ۔ اطاعت کے معنی نہیں بنتے بلکہ تفویض ہی کے معنی مستقیم (۴) ہوتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ آیات میں بعض بعض کی مفسر ہوتی ہیں تو اب جہاں اسلام بلا قید مذکور ہے، وہاں بھی مقید ہی مراد

(۱) ''اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکادے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا'' (۲) ''اور ملت ابراہیمی سے وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات سے احمق ہو اور ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کیا اور وہ آخرت میں بڑے لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں جبکہ ان کے پروردگار نے ان سے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی'' (۳) ''میں یکسو ہوکر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا'' (۴) تفویض کے معنی لینا ہی صحیح ہے۔

ہے۔ جیسے احادیث میں علم کے فضائل بلا قید مذکور ہیں حالانکہ علم مصدر ہے جس کے لئے قید کی ضرورت ہے خواہ بصورت مفعول ہو یا مضاف الیہ اس لئے لفظ کے اطلاق سے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ فضائل مطلق علم کے ہیں بلکہ یقینی بات ہے کہ علم سے علم دین مراد ہے ایسے ہی نصوص میں اسلام سے اسلام وجہ مراد ہے یعنی تفویض یہی وہ چیز ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمالات وفضائل میں جا بجا حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

پس ان آیات میں اصل مقصود لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (۱) ہے اور اتَّقُوْ اللّٰہَ (اللہ سے ڈرو) وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ (اللہ کے انعام کو یاد کرو) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو مضبوط پکڑو) یہ سب اسی کے لقب ہیں۔ اسی لئے میں نے اس بیان کا نام ''الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام'' تجویز کیا ہے جس میں اصل مقصود کے ساتھ اس کے دوسرے عنوانات پر بھی دلالت ہے۔

نام کا سجع

جیسے مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی کا سجع میں نے کہا تھا ثاقب از لطف محمد اسحاق، جس کا ترجمہ تو یہ ہے کہ اسحاق علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف سے روشن ہوئے ہیں مگر اس میں لطیفہ یہ بھی ہے کہ اس مصرع میں مولوی محمد اسحٰق صاحب اور ان کے والد کا اور دادا کا نام بھی آ گیا ہے کیونکہ ان کے والد کا نام لطف اللہ یا لطف الہدیٰ تھا اور دادا کا محمد ثاقب۔

وعظ کا نام

ایسے ہی اس وعظ کے نام میں اسلام بھی ہے اور اعتصام بھی ہے اور نعمت پر بھی دلالت ہے جس سے وہ تمام عنوانات جمع ہوگئے جو اس آیت میں اختیار کئے گئے ہیں بہرحال اس جگہ اول تو اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (تو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے

(۱) بجز اسلام کے اور کسی حالت میں جان مت دو۔

ڈرنے کا حق ہے) فرمایا ہے جس میں تفویض کی کسی قدر تفصیل ہے پھر وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (اورتم اسلام کے سوا کسی حالت میں جان مت دو) میں مجملاً تفویض کا ذکر ہے اس کے بعد پھر تفصیل ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ ...وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ (اللہ کے سلسلہ کو مضبوط پکڑو... اور اللہ کے انعام کو یاد کرو) میں کیونکہ مقصود کی علامت یہی ہے کہ اس کا ذکر شروع میں بھی ہو۔ درمیان میں بھی ہو تو یہاں اول ترکیب ہے پھر جمع ہے۔ پھر تحلیل ہے جس کا لطف اہل علم کو خاص طور سے حاصل ہوگا۔ اب میں مقصود کو عرض کرتا ہوں۔

تفسیر آیت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾(۱)

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس سے ڈرنے کا حق ہے) تو مشکل ہے۔ خدا کی شان کے لائق تقویٰ کس سے ہوسکتا ہے؟ تو آیت میں تکلیف مالا یطاق ہے(۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ حَقَّ تُقٰتِہٖ سے مراد غایۃ مَا تَقْدِرُوْنَ عَلَیْہِ ۔(جس قدر تم اس پر قادر ہو) ہے کہ جتنا تم کر سکتے ہو اتنا تقویٰ کرو۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے اور یہ بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ دوسری جگہ اس مضمون کو دوسرے سہل عنوان سے بیان فرمایا کیونکہ ہم سے اپنی اطاعت کے موافق بھی تو نہیں ہوتا تو فرماتے ہیں: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو) جس میں بجائے قدرت کے استطاعت کا لفظ وارد ہے اور استطاعت کہتے ہیں قدرۃ میسرہ کو نہ

(۱) ''اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم بجز اسلام کے کسی حالت پر جان نہ دینا''(۲) ایسی بات کا حکم ہے جس کو بجالانا انسان کے بس میں نہیں۔

قدرت ممکنہ کو(۱)۔ بعض صحابہ نے دوسری آیت کو پہلے کے لئے ناسخ فرمایا ہے اس سے بعض طلبہ خوش ہوئے ہوں گے کہ اتَّقُوااللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (اللہ سے ڈروجیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) منسوخ ہوگیا۔ چلو چھٹی ہوئی۔ ارے منسوخ تو وہ ہو جس میں نسخ کی قابلیت بھی ہو۔ بھلا ایمان بھی کہیں منسوخ ہوا ہے؟ اور اتَّقُوااللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (اللہ سے ڈروجیسا کہ اس سے ڈرنے کے حق ہے) میں اسی شان کا امر ہے جیسے اٰمَنُوْا بِاللّٰہ (ایمان لاؤ اللہ پر) میں ہے کیوں کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا مقتضی یہی ہے کہ تقویٰ حق تقاتہ (۲) کیا جائے اور مقتضائے عظمت بدل نہیں سکتا بلکہ بات یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عرف میں لفظ نسخ بیان تبدیل ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ بیان تفسیر کو بھی نسخ کہتے ہیں۔ پس قواعد شرعیہ سے اتَّقُوااللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ کا مطلب ہی یہ تھا کہ اپنی استطاعت کے موافق تقویٰ اختیار کرو یہ تو طالب علمانہ اشکال کا جواب تھا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ طلبہ تو صرف تفسیر میں پڑ گئے اشکالات اور شبہات حل کرنے کے درپے ہوگئے۔ اصل مقصود پر نظر ہی نہیں کہ یہاں امر کس چیز کا ہے اور ہم کو کیا کرنا چاہیے۔

اصل مقصود کیا ہے؟

صاحبو! ضرورت اس کی ہے کہ تمام مضامین کو سمیٹ کر مقصود کا پتہ لگایا جائے جیسے ایک کابلی طالب علم نے جس نے ابتداً ہی شرح جامی (۳) شروع کی اور جب لوگوں نے کہا کہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں پہلے میزان ومنشعب اور ہدایۃ النحو وکافیہ (۴) پڑھو پھر شرح جامی پڑھنا۔ کہا کہ شرح جامی ان سب کتابوں کی ماں ہے اور وہ سب اس کے بچے ہیں اور ہم نے اپنی والدہ کو دیکھا تھا کہ جب وہ مرغی کے بچوں کو کھڈلے میں بند کرنا چاہتیں تو بچے بہت پریشان کرتے کوئی ادھر بھاگتا کوئی ادھر آخر وہ مرغی کو پکڑ لیتیں

(۱) جتنی طاقت حاصل ہو نہ کہ جتنی طاقت ممکن ہو (۲) اتنا ہی ڈرا جائے جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے (۳) علم نحو کی ایک کتاب ہے (۴) یہ سب بھی علم نحو کی کتابیں ہیں۔

تو سب بچے ساتھ ساتھ ہو لیتے۔اسی طرح ہم نے شرح جامی کو پکڑ لیا ہے یہ آجائیگی تو سب کتابیں آجائیں گی۔تو مضامین منتشرہ کے سمیٹنے کا بھی یہی طریقہ ہے کہ اصل مقصود کا پتہ لگاؤ تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں مقصود ایک ہی ہے باقی سب اس کے عنوانات ہیں اب اگر تقویٰ کو اصل مقصود کہا جائے تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ مقصود کا یہ بھی ایک عنوان ہے مگر اس کا مصداق یہ تو بہت وسیع ہے جس کی تفصیل پر ہم کو قدرت نہیں اور ضرورت سمیٹنے کی ہے جس کے لئے مختصر حقیقت چاہیے۔

حقیقت تقویٰ

سو وہ حقیقت اسلام ہے یعنی یہاں حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ اسلام یعنی تفویض پر مداومت رکھو کسی وقت اس کو ہاتھ سے نہ دو یہ ہے وہ چیز جس کو میں نے کہا تھا کہ وہ پریشانی کو بھی لذیذ کردیتی ہے مگر وہ لذت مٹھائی اور حلوے جیسی نہیں بلکہ مرچوں بھرے کباب جیسی ہے جس کی لذت وہی جانتے ہیں جو مرچ کھانے کے عادی ہیں چنانچہ عارفین کو بھی ہر طرح کی مشقت ومصائب وآلام پیش آتے ہیں مگر ان کو اس میں بھی لذت آتی ہے اور وہ یوں کہتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود برجان من   دل فدائے یار دل رنجائے من(۱)

پس یہ مت سمجھنا کہ تفویض کے بعد پریشانیاں یا پریشان کن واقعات پیش نہ آئیں گے درست نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ پہلے وہ ناگوار تھے اب خوشگوار ہوجائیں گے جیسے مرچ کھانے والے کو مرچوں بھرا کباب خوشگوار ولذیذ ہوتا ہے کہ روتا بھی جاتا ہے اور کھاتا بھی جاتا ہے۔

رفع اشکال

یہاں ایک اشکال طالب علمی اور ہے اس کو بھی حل کردوں۔ وہ یہ کہ اصولی

(۱)''محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ اپنی طبیعت کے خلاف اور ناخوشی ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے۔ میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں''۔

قاعدہ ہے کہ امر و نہی (۱) کا تعلق امور اختیاریہ سے ہوتا ہے اور یہاں موت پر نہی وارد ہے جو غیر اختیاری ہے جواب یہ ہے کہ یہ کلام محاورہ کے موافق ہے۔ محاورہ میں بھی کہا جاتا ہے کہ بے وفا بن کر جان مت دینا اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ عمر بھر وفادار رہنا اور اسی پر جان نکل جائے پس یہاں بھی گو ظاہر میں موت پر نہی وارد ہے مگر موت سے منع کرنا مراد نہیں بلکہ بے وفائی سے منع کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح آیت میں دوام اسلام کا امر مقصود ہے جس کو محاورہ کے موافق اس عنوان سے بیان کیا گیا ہے تقدیر یہ ہے ''دَاوِمُـوْ عَلَى الْاِسْلَامِ حَتّٰى لَا تَمُوْتُوْا اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' (۲)

غلط فہمی کا ازالہ

اب یہاں سے ایک خام صوفی (۳) کی غلطی ظاہر ہوگئی جس نے اس آیت سے موت نفس کو ثابت کیا ہے جو صوفیہ کی اصطلاح ہے اور استدلال میں یہی کہا ہے کہ یہاں موت پر نہی وارد ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہاں وہ موت مراد نہیں جو غیر اختیاری ہے بلکہ اختیاری موت مراد ہے تو اس سے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَـمُـوْتُـوا (مرجاؤ تم مرنے سے پہلے) کا مسئلہ ثابت ہوا تو سمجھ لو کہ یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہاں موت پر نہی وارد ہی نہیں جیسا ابھی بیان کیا گیا ہے بلکہ وہ مسئلہ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا تھا ''یَـا عَبْدَ اللّٰهِ اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ وَاِذَا أمسيت فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَّاحِ عدَ نَفْسَكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ'' (۴)

(۱) جس کام کے کرنے کا حکم دیا جائے یا اس سے منع کیا جائے (۲) ''دوام کرو اسلام پر اور تم اسلام کے سوا اور کسی حالت میں جان نہ دینا'' (۳) ایک ناقص صوفی (۴) ''اے عبداللہؓ جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کر اور جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کر اور اپنے آپ کو قبر والوں سے (یعنی مُردہ) سمجھ لو'' اتحاف السادۃ المتقین: ۱۰/۲۵۱۔

تفویضِ مطلوب

بہرحال یہاں مراد ''دَاوِمُوْ عَلَی الْاِسْلَامِ ''(اسلام پر مداومت کرو) ہے مگر اس کو لا تموتن الا وانتم مسلمون (اسلام کے علاوہ اور کسی حالت میں جان مت دو) کو سن کر عشاق پر مصیبت آجاتی کہ حکم تو دوام علی التفویض کا ہے اور ہم سے اس میں کوتاہی ہوتی ہے تو اس عنوان میں ان کی تسلی کر دی گئی کہ اگر موت کے وقت بھی تفویض کامل ہوجائے تو کافی ہے۔عوام تو اس کو سن کر بے فکر ہو گئے ہوں گے کہ بس مرتے ہوئے تفویض کلی حاصل کرلیں گے۔ارے اس کے ساتھ یہ مقدمہ بھی تو ملاؤ کہ مرتے وقت تفویض کلی عادۃً اسی کو حاصل ہوتی ہے جو زندگی بھر اسی میں مشغول رہا ہو۔ ورنہ موت کا وقت تو سخت نازک ہے۔ وہ تحصیل نسبت وطے مقامات وتکمیل تفویض (۱) کا وقت تھوڑا ہی ہے کہ اسی وقت کام شروع کرو اور اسی وقت حاصل بھی کرلو اور یوں خلاف عادت حق تعالیٰ جو چاہیں کردیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام وآدم علیہ السلام حوا علیہا السلام کو بدون ماں باپ کے بنادیا، ورنہ عادت یہی ہے کہ بدون مرد وعورت کی مباشرت کے بچہ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح عادۃً مرتے ہوئے انہی کو مقامات حاصل ہوتے ہیں جو زندگی بھر انہی کی فکر میں لگے رہے تھے۔

عوام کی بے فکری

پس عوام کی بے فکری بے معنی ہے اور یہ شیطان نے ان کا راہ مار رکھا ہے (۲) کہ عمر بھر یہی پٹی پڑھاتا رہتا ہے کہ ابھی زندگی بہت ہے۔ ذرا دنیا کے لطف اٹھالو پھر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کریں گے۔ غرض تفویض وہ چیز ہے کہ ہر کام میں اس کی ضرورت ہے خواہ دنیا کا ہو یا دین کا اہل باطن تو اس سے ابتداہی میں کام لیتے ہیں اور اہل دنیا بعد میں اس سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً کسی پر مقدمہ قائم ہوجائے اگر وہ صاحب باطن ہے تو اسی وقت سے معاملہ خدا کے سپرد کردے گا اور جو نتیجہ ہو اس پر اول

(۱) نسبت کے حصول مقامات طے کرنے اور تفویض کی تکمیل کا وقت نہیں ہے (۲) شیطان نے دھوکے میں مبتلا کیا ہوا ہے۔

ہی سے راضی ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر کو چھوڑ دے گا کیونکہ تدبیر تفویض کے منافی نہیں یہ بھی اسی کا حکم ہے جس کا حق وہ تفویض ہے پس یہ تدبیر بھی کرے گا مگر اپنی طرف سے کوئی نتیجہ تجویز نہ کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے گا کہ جو ان کی رضا ہے میں اس پر راضی ہوں۔ دنیا دار بھی اخیر میں یہی کرتا ہے مگر وہ اول اپنی تدبیر پر نظر کرتا ہے اور اپنی طرف سے نتیجہ کی ایک شق متعین کرلیتا ہے کہ نتیجہ یوں ہونا چاہیے پھر جب ہار جاتا ہے تو کہتا ہے کہ تقدیر میں یوں ہی تھا میں خدا کی مرضی پر راضی ہوں۔

تفویض معتبر

اسی طرح ایک فرع اس کی مثلاً مدرسہ ہے جس کے چلانے کے لئے تدبیر کی بے شک ضرورت ہے مگر صاحب تفویض تو ابتداء ہی سے تفویض کرتا ہے اور تدبیر جو کچھ کرتا ہے محض سنت واطاعت سمجھ کر کرتا ہے اس کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ تدبیر ضرور کامیاب ہی ہو بلکہ وہ کامیابی اور ناکامی کو حق تعالیٰ کے سپرد کرکے کوشش کرتا ہے۔ اگر کامیابی ہوگئی تو، اور ناکامی ہوئی تو وہ ہر حال میں خوش ہے اور جو شخص اس ارادہ سے تدبیر کرتا ہے کہ مجھے کامیابی ہی ہو اور جس طرح میں چاہتا ہوں۔ مدرسہ اسی طرح چلے اس کی پریشانیوں کی کوئی حد نہیں رہتی کیونکہ جہاں کوئی بات ناگوار طبع پیش آئے گی اس کو اپنی ناکامی کا رنج ہوگا۔ تو بتلاؤ کہ تفویض سے زیادہ راحت کا آلہ دنیا میں کیا ہے۔ حضرت تلاش کرتے کرتے تھک جائے گا اس سے بڑھ کر راحت کا آلہ کوئی نہ ملے گا مگر راحت کی نیت سے تفویض کرنا دین نہیں بلکہ دنیا ہے حقیقی تفویض وہ ہے جس میں یہ بھی قصد نہ ہو کہ اس سے چین ملے گا بلکہ محض رضاء حق کا قصد ہو ورنہ وہ مثال ہوگی۔

دیہاتی کی حکایت

جیسے ایک دیہاتی نے مولوی صاحب کی ترغیب سے نماز شروع کی

مولوی صاحب کا جو پھر وہاں گذر ہوا نماز کی نسبت پوچھا کہنے لگا کہ نماز سے بڑا پھائیدا (فائدہ) ہے جب ہی موندھا پڑوں (یعنی سجدہ کروں) جبھی بادی (ریح) خوب نکڑے (نکلے) آپ کو ریح کا مرض تھا اور سجدہ میں گوز اڑایا کرتے تھے ظاہر ہے کہ یہ فائدہ کس درجہ کا ہے۔ یوں ہی تفویض بقصد راحت سے بھی گو راحت حاصل ہوگی مگر یہ نفع قابل اعتبار نہیں۔تفویض معتبر وہی ہے جس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو اور کچھ مقصود نہ ہو

حکایت

چنانچہ شیخ ابن عطاء اسکندری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کی حکایت لکھی ہے۔

کہ میں ایک بزرگ سے ملنے گیا تو وہ یہ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ میں لذت تفویض سے پناہ مانگتا ہوں۔ واقعی تفویض میں بڑی لذت ہے مگر اہل اللہ اس سے پناہ مانگتے ہیں کہ مبادا ہم لذت کی وجہ سے تفویض کر رہے ہوں لیکن یہ ان بزرگ کا حال تھا تم یہ بھی دعا نہ کرو کیونکہ لوگ بدوں لذت کے تفویض نہیں کر سکتے بس تم نہ لذت کا قصد کرو نہ اس کی نفی کی دعا کرو بلکہ یہ مذاق رکھو۔

ہرچہ از دوست می رسد نیکوست (۱)

اب اگر لذت عطا ہو جائے تو یہ نعمت حق ہے اس سے گھبراتے کیوں ہو اس سے پناہ نہ مانگو نہ اس کے دفع کی دعا کرو اور لذت حاصل نہ ہو جب بھی راضی رہو اصحاب مقام یوں فرماتے ہیں کہ اگر وہ چپت (۲) ماریں چپت کھالو اور پیار کریں تو پیار کرالو اور اس کی لذت حاصل ہو تو اس کو نعمت سمجھو شاید کسی کو اس مقام پر حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت سے شبہ ہو کہ ایک دفعہ ان کی نماز

(۱) ''جو کچھ محبوب کی جانب سے پہنچے وہ بہتر ہے'' (۲) تھپڑ ماریں۔

تہجد ناغہ ہوگئی اس کا ان کو رنج ہوا اور اگلی صبح جاگنے کا زیادہ اہتمام کیا تو اس رات ایسی نیند آئی کہ صبح کی نماز بھی قضا ہوگئی اب تو وہ سخت پریشان ہوئے الہام ہوا کہ اے ابراہیم تم نے اپنی تدبیر کو دیکھ لیا اب تفویض کرو ''نَمْ اِذَا اَنَمْنَا وَقُمْ اِذَا اَقَمْنَا''(۱)

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں ''فَوَّضْتُ فَاسْتَرَحْتُ'' کہ میں نے تفویض کردی اور راحت میں ہوگیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے راحت کے لئے تفویض اختیار کی تھی جواب یہ ہے کہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس میں تو صرف ترتب راحت کا ذکر ہے قصد استراحت (۲) پر کوئی لفظ دال نہیں مگر اس حکایت سے جاہل لوگ خوش ہوئے ہوں گے کہ بڑا مزہ آیا۔ اب سے ہم بھی نماز روزہ کے لئے اہتمام وتدبیر نہ کیا کریں گے بلکہ تفویض کردیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ بہت اچھا پھر اللہ تعالیٰ تم کو سزادیں گے اس وقت بھی تفویض کرنا۔

جبری کا علاج

جیسے مثنوی میں ایک جبری (۳) کی حکایت مولانا نے لکھی ہے کہ وہ اختیار کا قائل نہ تھا۔ ایک دن وہ کسی شخص کے باغ میں جاکر انگور توڑ توڑ کر کھانے لگا۔ مالک باغ نے جو دیکھا تو اس نے دھمکایا کہ یہ کیا کررہا ہے، میرے انگور کیوں کھاتا ہے۔ کہا چپ رہو۔ زمین بھی خدا کی، درخت بھی خدا کا، انگور بھی خدا کے میں بھی خدا کا تو منع کرنے والا کون ہے۔ وہ باغ والا بھی ذہین تھا اس نے اپنے نوکر کو آواز دی کہ ایک ختکا(۴) اور ایک رسالا وہ لے آیا تو اس نے اس جبری کو رسہ سے باندھ کر خوب مارا وہ چلانے لگا کہ اللہ کے واسطے چھوڑ دے کہا چپ رہو میں بھی خدا کا تو بھی خدا کا رسا بھی خدا کا ختکا بھی خدا کا پھر کیوں چلاتا ہے۔ وہ کہنے لگا۔

(۱) ''جب ہم سلائیں سو رہو جب اٹھائیں اٹھ جاؤ'' (۲) راحت کے حصول کے لئے تفویض کرنے پر کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا (۳) وہ لوگ جن کا عقیدہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کرتا (۴) ایک ڈنڈا۔

گفت توبہ کردم از جبر اے عیار اختیار است اختیار است اختیار(۱)

معنی تفویض

یاد رکھو تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ تفویض کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے، تدبیر کرے اور تدبیر کے نتیجہ کو خدا کے سپرد کردے اور حضرت ابراہیم نے تدبیر فرض سے زیادہ تدبیر کی تھی اس لئے ان کو تنبیہ کی گئی کیونکہ خواص کو تدبیر فرض سے زیادہ کی اجازت نہیں ہوتی اور ہم کو تدبیر فرض سے زیادہ کی بھی اجازت ہے۔ کیونکہ ہم گنوار ہیں اور گنواروں کے لئے وہ قواعد نہیں ہوتے جو خواص کے لئے ہیں جیسے ایک حکیم کا قصہ ہے کہ اس نے ایک گنوار کو دیکھا کہ چنے کی چار پانچ روٹیاں کھا کر اوپر سے چھاچھ کا بنٹا پی رہا ہے(۲)۔ حکیم نے کہا کہ چھاچھ کو کھانے کے درمیان میں پینا چاہیے۔ اخیر میں پینا مضر ہے(۳)۔ گنوار نے اپنے بیٹے کو آواز دی کہ ارے فلانے ایک چار ٹکر (یعنی روٹی) اور لے آئے اسے چھاچھ کو بیچ میں کرلوں یو (یہ) حکیم کہہ رہا ہے۔ چنانچہ وہ چار مچگ(۴) اور کھا گیا۔ حکیم صاحب نے یہ منظر دیکھ کر کہا چودھری! جی تمہارے واسطے کوئی قاعدہ قانون نہیں تم چاہے بیچ میں پیو یا اخیر میں اسی طرح ہمارے واسطے یہ قاعدہ نہیں کہ تدبیر فرض سے زیادہ تدبیر نہ کریں بلکہ ہم تو جب فرض سے زیادہ کریں گے جب فرض تک پہنچیں گے۔ غرض اس میں شک نہیں کہ تفویض سے دنیا کے کاموں میں بھی راحت ہے اور دین کے کاموں میں بھی۔ دنیا میں مقدمہ اور مدرسہ کی مثال تو گذر چکی۔ ایک اور مثال لو۔

مثلاً تم اپنے لڑکے کا رشتہ کر رہے ہو اور کامیابی نہیں ہوتی اس سے رنج ہوگا۔ کیونکہ تفویض نہیں تھی۔ تم نے اپنی طرف سے ایک شق تجویز کر لی تھی کہ یوں

(۱) ''اس نے کہا کہ میں نے جبر سے توبہ کی اور اختیار کا قائل ہوا'' (۲) لسی کا ایک مٹکا بھر کر پی رہا ہے (۳) نقصان دہ (۴) چار روٹیاں۔

ہونا چاہیے اور اگر ابتداء ہی سے تجویز نہ کرتے بلکہ تفویض کرتے تو ہرگز ناکامی سے رنج نہ ہوتا یا کوئی عزیز مریض تھا تم اس کے لئے تعویذ لے گئے اور نفع نہ ہوا تو اس وقت بھی رنج ہوگا کیونکہ تفویض نہ تھی بلکہ اس اعتقاد سے تعویذ لیا گیا تھا کہ بس اسکے باندھتے ہی آرام ہوجائے گا۔ اگر تفویض ہوتی تو اول ہی سے ہر شق پر راضی ہوتے اور وہ تعویذ تفویض ہوجاتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ

آج کل مدرسہ دیوبند میں ایک شور برپا ہے۔ سخت شورش ہو رہی ہے (کہ وہ لوگ جن کو مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے باپ بن کر پالا پرورش کیا پڑھایا لکھایا اور تدابیر سے ان کو بڑا بنایا آج وہ انہی کے مقابلہ میں بڑائی جتلا رہے ہیں اور ان کے ہاتھ سے مدرسہ کا اہتمام لینا چاہ رہے ہیں اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب ایسے بے نفس ہیں کہ مدرسہ کے اہتمام سے استعفٰی دینے کو آمادہ ہوگئے کہ جب میری خدمت لوگوں کو پسند نہیں تو میں ہی الگ ہوجاؤں لیکن اراکین مدرسہ نے ان کو اس خیال سے روک رکھا ہے) اور اس شورش کے رفع کرنے میں مہتمم مدرسہ اراکین سب کوشاں ہیں مگر میں نے مہتمم صاحب کو لکھ دیا ہے کہ تم اسی وقت سے ہر نتیجہ کے لئے آمادہ ہوجاؤ یہ تجویز ذہن میں نہ کرو کہ مدرسہ رہے یا تمہارے ہاتھ میں رہے بلکہ اگر مدرسہ ٹوٹ جائے یا بند ہوجائے تو تم ابھی سے اس پر راضی ہوجاؤ اور خدا پر نظر کرکے قوت کے ساتھ اپنے اصول پر قائم رہو اور یہ قوت بدوں تفویض کے پیدا نہیں ہوسکتی اس کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ کرو کیونکہ تفویض ترک تدبیر کا نام نہیں چنانچہ میں کہہ چکا ہوں کہ تدبیر بھی اسی کا حکم ہے جس کے لئے تم تفویض کررہے ہو: دَلِیْلُہُ الصَّرِیْحُ وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ

الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (۱) بس تفویض یہ ہے کہ تدبیر کرو مگر اس پر نظر نہ کرو اور اپنی تجویز سے کوئی شق نتیجہ کی متعین نہ کرو کہ یوں ہونا چاہیے۔

میرے اس لکھنے کا یہ اثر ہوا کہ مہتمم صاحب بڑے مضبوط ہو گئے اور لکھتے ہیں کہ تیری وجہ سے ہمیں بہت قوت ہو گئی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تجویز کردہ نسخہ

میرے ایک اور دوست ہیں ان کے ذمہ قرض بہت ہو گیا ہے۔ بنئے نالش (۲) کرنا چاہتے ہیں اس سے وہ بے چارے بڑے پریشان ہو رہے تھے مجھے بھی اپنی پریشانی لکھی۔ میں نے لکھا کہ پریشان کیوں ہوتے ہو آخر وہ نالش کر دیں گے تو کیا ہو جائے گا بہت سے بہت تم کو قید کرا دیں گے تو تم قید خانہ میں چلے جانا یا زمین ومکان نیلام ہو جائے گا تم زمین ومکان نیلام کرا دینا جس خدا نے اب تک روزی دی ہے وہ پھر بھی روزی دے گا تم اپنی طرف سے اسی وقت ہر نتیجہ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس کے بعد مقدمہ میں تدبیر اس کی کرو کہ قرض کی قسطیں ہو جائیں۔ یہ خط پڑھ کر ان کو ایسا سکون واطمینان ہوا کہ اب لکھتے ہیں کہ یوں جی چاہتا ہے کہ سب قرض خواہوں سے کہہ دوں کہ سب مل کر نالش کر دو جو ہونا ہوگا ہو جائے گا میں نے لکھا کہ ایسا بھی نہ کرنا کہ یہ بھی خلاف تفویض ہے اپنی طرف سے تم نہ بلا تجویز کرو نہ راحت بلکہ جو وہ تجویز کر دیں اس پر راضی رہو۔ حضرت یہ نسخہ اکسیر میں نے ایسا بتلا دیا جس سے نہ اہل دنیا کو استغناء ہے (۳)، نہ اہل دین کو، نہ علماء کو استغناء ہے نہ عرفاء کو بلکہ تمام عالم اس کا محتاج ہے اور اس کی زیادہ قدر ان سالکین کو ہوگی جو کسی بلائے باطنی میں پھنسے ہوئے ہوں کیونکہ بعض حالات سالکین کو ایسے پیش آتے ہیں کہ اگر پہاڑ پر رکھے جائیں تو پہاڑ پھٹ جائیں۔

---

(۱) ''اس کی صریح دلیل یہ ہے واعدوا یعنی اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں'' (۲) ہندو بنئے مقدمہ کرنا چاہتے تھے (۳) جس سے نہ اہل دنیا مستغنی نہ اہل دین۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بہ نام من دیوانہ زدند(۱)

روح انسانی کی قوت

یہ روح انسانی ہی کی طاقت ہے کہ وہ ایسے ثقیل وشدید امور کا تحمل کرتی ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں ’’اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا‘‘(۲)

اور ایک آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے:’’لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ‘‘۔(۳) تو یہ باعتبار مادہ انسانی کے ہے سو اس میں کیا شک ہے کہ مادہ انسان مادہ سمٰوٰت سے اضعف ہے لیکن روح انسانی اَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ (پہاڑوں سے زیادہ سخت) ہے روح انسان کی قوت سمٰوٰت وارض سب سے زیادہ ہے جس کا تجربہ سالکین کو ہوتا ہے جن پر یہ احوال شدائد گذرتے رہتے ہیں اور اس وقت تفویض کے سوا کوئی آلہ راحت کا نہیں بس سالکین تفویض کر کے دیکھیں ان شاء اللہ سب شدائد کا تحمل آسان ہو جائے گا اور نہ بھی آسان ہو تو تفویض کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ اسی کو حضرت حافظ فرماتے ہیں۔

باغباں گر چند روزے صحبت گل بایدش بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش(۴)

اگر کبھی وصال کے بعد فراق ہو جائے تو صبر سے کام لو تفویض کرو۔ اگر تجلی جمال کے بعد تجلی قہر وجلال ہو تو اس وقت بھی تفویض سے ہی کام لو۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار فرمایا کہ مجھے چین کیونکر ہو، اسرافیل صور منہ میں لئے ہوئے ہے اور کان جھکائے حکم کا منتظر ہے کہ ذرا حکم ہو تو عالم کو درہم

(۱)’’آسمان بار امانت نہ اٹھا سکا قرعہ فال مجھ دیوانہ کے نام آیا‘‘ (۲)’’بیشک ہم نے یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تھی انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا‘‘ (۳)’’آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسان کے پیدا کرنے سے بڑھ کر ہے‘‘ (۴)’’باغبان کو اگر چند روز گل کی صحبت چاہیے تو خار ہجران کی زیادتی پر بلبل کا سا صبر درکار ہے‘‘۔

برہم کردوں۔ صحابہ اس کو سن کر لرز گئے گھبرا گئے۔

حضور ﷺ کا تجویز کردہ علاج

حضور ﷺ نے فرمایا: قُوۡلُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ (ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے) یعنی گھبراؤ نہیں بلکہ حَسۡبُنَـا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ (کہو یعنی تفویض کرو اور خدا پر نظر رکھو) ارے جب سارے راستے ان کے ہی قبضے میں ہیں اور تم کہیں سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے تو اب بجز تفویض کے چارہ ہی کیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

اے حریفان راہ ہارا بست یار　　آہو لنگیم واؤ شیر شکار(۱)

واللہ سارے راستے بند ہیں تم کہیں ان کے قبضہ سے باہر نہیں جاسکتے بس ہماری ایسی مثال ہے جیسے لنگڑا ہرن شیر کے پنجہ میں ہو اب بتلاؤ لنگڑا ہرن شیر کے پنجہ سے چھوٹنے کی کوشش کرے تو یہ اس کی حماقت ہے یا نہیں۔ بس اس کی خیر اسی میں ہے کہ اپنے کو شیر کے سامنے ڈال دے اور اس کے ہر تصرف پر راضی ہو جائے خواہ کھالے خواہ چھوڑ دے۔

غیر تسلیم و رضا کو چارہ　　درکف شیر نرخوں خوارۂ (۲)

ہائے اللہ ہائے اللہ اے اللہ اے اللہ "صاح الشيخ وبكى وولول واضطرب اضطرابا شديداً لم نشاهد به قطّ"(۳)

دیر تک خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ واللہ بجز تسلیم و رضا کے کچھ چارہ نہیں۔

غیر تسلیم ورضا کو چارۂ　　در کف شیر نرخوں خوارۂ

آہوئے لنگ (۴) کو یہی چاہیے کہ اپنے کو شیر کے آگے ڈال دے اور اپنا

(۱) "اے حریفوں یار نے تمام راستے بند کردیئے ہیں ہم لنگڑے ہرن کی طرح اور وہ شکاری شیر کی طرح ہے"
(۲) سوائے تسلم ورضا کے کوئی چارہ نہیں تم مثل خونخوار شیر نر کی مٹھی میں ہو" (۳) "شیخ چلائے اور روئے اور سخت مضطرب ہوئے اس سے پہلے کبھی ایسا مشاہدہ نہیں ہوا" (۴) لنگڑے ہرن کو۔

ضعف و عجز ظاہر کرے اب یہ ہوگا کہ شیر اس پر رحم کر کے خود اس کی پرورش کرے گا اور جنگل سے شکار لا کر اس کے آگے ڈال لے گا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کو یہی علاج بتلایا ہے: ''قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ''(۱) جس پر وعدہ ہے ''ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ ان اللّٰہ بالغ امرہٖ قد جعل اللّٰہ لکل شئی قدراً''(۲)

حافظ شیرازی کی تعلیم

اس شعر کے بعد حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال　　مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش(۳)

تڑپوگے جتنا جال کے اندر　　جال گھسے گا کھال کے اندر

اس کے بعد فرماتے ہیں:

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار　　کار ملک ست آنکہ تدبیر وتحمل بایدش(۴)

یعنی تدبیر کے درپے ہونا اور اسی فکر میں رہنا غلام کا کام نہیں یہ کام بادشاہوں کا ہے اور تم بادشاہ نہیں ہو بلکہ غلام ہو بادشاہ صرف ایک ہے اور سب اس کے غلام ہیں پس ان تدابیر پر نظر کرنا چھوڑ دو خدا پر نظر رکھو آگے علم وعمل پر بھروسہ کرنے کو منع فرماتے ہیں:

تکیہ بر تقویٰ ودانش در طریقت کافریست　　راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش(۵)

یہاں بڑے بڑے متقی اور عارف سالک کو توکل ہی لازم ہے اس سے

---

(۱) کہو ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے'' (۲) ''اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے'' (۳) ''یعنی تمہاری مثال ایسی ہے جیسے مرغ جال میں پھنسا ہوا ہو اس کو تحمل ہی چاہیے کہ صبر وسکون کے ساتھ پابزنجیر ہو جاے ورنہ جتنا پھڑ پھڑائے گا اور زیادہ پھنسے گا'' (۴) ''یعنی عاشق کو مصلحت بینی سے کیا تعلق اس کو تو محبوب حقیقی کا کام سمجھ کر تحمل وتدبیر چاہیے'' (۵) ''طریقت میں عقل وتقویٰ پر بھروسہ کرنا کفر ہے سالک اگر سو ہنر جانتا ہو پھر اس کو توکل یعنی اپنے کو اہل اللہ کے سپرد کرنا چاہیے''۔

کام چلے گا ورنہ جہاں اس نے اپنی عقل یا تقویٰ پر اعتماد کیا اور تباہ ہوا۔ حضرت یہی ہے تفویض اور یہی حقیقت ہے اسلام کی اور اسی کا حکم ہے اس آیت میں لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سوائے اسلام کے اور کسی حالت میں جان نہ دو) مگر ہم نے اسلام کا صرف لفظ یاد کرلیا ہے اس کی حقیقت پر کبھی نظر نہیں کی جن کو طریق کے احوال پیش آتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ جہاں تدبیر کے پیچھے پڑے اور اس پر نظر کی وہیں پریشانی اٹھائی اور جب تفویض کی فوراً ہلکے پھلکے ہوگئے اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا کوئی یوں کہہ رہا ہے۔

من غم تو می خورم تو غم مخور   بر تو من مشفق ترم از صد پدید(۱)

تدبیر مشروع

پس ہمیشہ کے لئے یہی دستور العمل بنالو کہ شریعت نے جس تدبیر کی اجازت دی ہے خواہ دین کے متعلق ہو یا دنیا کے وہ کرکے آگے نتیجہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرو بس اسی سے نجات ہوگی اب میں تمام دنیا سے کہتا ہوں کہ کوئی اس سے بہتر نسخہ تو لائے ذرا ہم بھی تو دیکھیں انشاء اللہ قیامت آجائے گی اور اس سے بہتر نسخہ کوئی نہ لا سکے گا اسی کو حق تعالیٰ اس جگہ بیان فرماتے ہیں: لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سوائے اسلام کے اور کسی حالت میں جان مت دو) اس کے بعد فرماتے ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا کہ اللہ کی رسی کو (یعنی قرآن واحکام قرآن کو جس میں حدیث وفقہ بھی سب شامل ہیں کیونکہ سب اسی ایک متن کی شروح ہیں) مضبوط پکڑلو اور آپس میں افتراق نہ کرو (کیونکہ اس سے دین کو بھی سخت ضرر پہنچتا ہے جس کی بناء پر حدیث میں فساد ذات البین کو حالقہ فرمایا گیا ہے) کما تقدم(۲) ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

(۱) ''میں تیرا غم خوار ہوں تو غم مت کر میں تجھ پر سینکڑوں باپوں سے زیادہ شفیق ہوں'' (۲) جیسا پیچھے گذرا۔

فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا﴾ اور اللہ کی اس نعمت کو اپنے اوپر یاد کرو کہ تم پہلے باہم دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی جس سے تم بھائی بھائی ہو گئے (یہ تو دنیوی نعمت ہے)﴿ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا﴾ اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے کہ جہنم میں جانے کے لئے صرف مرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے اس سے بچالیا (یہ دینی نعمت ہے) ان نعمتوں کو یاد کر کے ان کا شکر ادا کرو اور شکر وہی ہے کہ حبل اللّٰہ کو مضبوط (۱) پکڑ لو یہ تو ترجمہ تھا اور مقصود ظاہر ہے کہ حبل اللہ اسلام ہے اور اسلام کی حقیقت تفویض ہے جو تمام حالات کو شامل ہے خواہ حالات آفاقیہ ہو خواہ انفسیہ ہوں (۲) پھر انفسیہ میں خواہ احوال حسیہ ہوں (۳) جیسے مرض وصحت وقوت وضعف خواہ باطنیہ ہوں (۴) جیسے قبض وبسط ھیب وانس ومحبت وشوق وامثالہا (۵) سب کو اپنے سر آنکھوں پر رکھے پس مقصود یہ ہوا کہ ہر حال میں تفویض پر مداومت رکھو چونکہ مجھے اس مضمون سے خود بہت نفع ہوا ہے اس لئے میں نے دوستوں کو بھی اس سے مطلع کرنا چاہا۔

بس اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو یہ دولت عظمٰی نصیب فرمائیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔

آمین وصلی اللّٰہ علی سیدنا خیر خلقہٖ محمد وعلٰی اٰلہٖ واصحابہ وازواجہ وذریتہٖ اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین (۶)

---

(۱) اللہ کی رسی (۲) حالات بیرونی ہوں یا ذاتی (۳) جسمانی احوال (۴) باطنی احوال (۵) کوئی بھی حالت ہو تنگی کی ہو یا فراخی خوف ہو یا انس ومحبت یا شوق وذوق وغیرہ (۶) اللہ تعالیٰ محشی، اس کی طباعت میں تمام معاونین، اور تمام قارئین کو اس دولت عظمٰی سے سرفراز فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۳ نومبر ۲۰۱۶ء

ایمان کا آئینہ

ہم میں افعال برے بھی ہیں اور اقوال بھی ہیں
عیب اخلاق کے بھی ہیں برے اعمال بھی ہیں

بلکہ ہم بعض عقیدوں میں بھی رکھتے ہیں خلل
گندہ رسموں پہ زمانہ کی بھی ہوتا ہے عمل

چاہتے ہیں مگر اصلاح نہیں ہوتی ہے
عقل کچھ جاگتی ہے پھر بھی مگر سوتی ہے

سستی وکسل سے ہوتی نہیں تدبیر کوئی
ہاں اگر سہل ہو اور صاحب تاثیر کوئی

ایسی تدبیر ہو کرنا ہی نہ ہو کچھ گو یا
کام بن جائے یونہی ہم ہیں سب اس کے جویا

اس کا اک راز ملا درد کا درماں پایا
بارگاہ نبویؐ سے بہت آساں پایا

اس لئے ارشاد ہے اور علم کا گنجینہ ہے
ہرمسلمان مسلمان کا آئینہ ہے

○○○

ہم کو ہوجائے گا ظاہر کے کسی عیب کا وہم
طعن احباب کا چھا جائیگا دل پر جب سہم

ہوگی آئینہ کی اس وقت بہت سخت تلاش
تاکہ اصلاح کریں جب وہ کرے عیب کو فاش

لیکن افسوس نہیں وہم یہ باطن کے لئے
فکر آئینہ کی اس میں نہیں اک دن کے لئے

خود ہی پوچھیں گے جو آئینۂ بیجان سے ہم
پوچھتے ہی نہیں لیکن کسی انسان سے ہم

آئینہ منہ پہ جو سب عیب جتا دیتا ہے
ہو بہو آپ کی سب شکل دکھا دیتا ہے

اس پہ خفگی نہیں اور الٹی خوشی ہوتی ہے
ہر عیب کی پھر بیخ کنی ہوتی ہے

آئینہ صاف نہ ہوگا تو کریں گے خود صاف
ایک اگر ٹھیک نہ ہو دوسرا لیں گے شفاف

کیوں اسی طرح نہیں پوچھتے انسانوں سے
اجنبیوں سے نہیں بھائی مسلمانوں سے

کیوں برا مانتے ہیں عیب بتانے پر ہم
کیوں بگڑتے ہیں حقیقت کے دکھانے پر ہم

کیوں نہیں عیب کی اصلاح کی جانب آتے
کیوں خوشی دلمیں ہم اپنے نہیں اس سے پاتے

وہ سکندر کا بنایا ہوا آئینہ ہے
یہ پیمبر کا بتایا ہوا آئینہ ہے

ooo

آئینہ عیب جو پاتا ہے بتادیتا ہے
لیکن آہستہ سے چپکے سے پتا دیتا ہے

منتظر اس کا نہیں ہے کہ کرے کوئی سوال
بلکہ جب سامنے آئے گا کہیگا خود حال

طعن و تشنیع نہ تحقیر کبھی کرتا ہے
کام کرتا ہے پر احسان نہیں دھرتا ہے

صاف دل، صاف بیاں، پاک نظر، نیک گماں
کیوں نہ پھر اس کی ہر اک بات اثر لائے یہاں

ہم بھی اس طرح کہیں گے جو کسی سے کوئی بات
مان بھی لیگا وہ اور چھوڑ بھی دے گا بری بات

ہر مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے
وہ ہے ظاہر کا یہ ایمان کا آئینہ ہے

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
(از جمالیاتِ جمیل)